ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیانُ السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۱۳

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبد الدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط ہر ماہ شائع ہوتی رہی ہے،
ناظرینِ مولوی کے اصرار پر

toobaafoundation.com

آستانہ بک ڈپو پوسٹ بکس ۱۲۰۶ سوئیوالان ۱۵۶۵ نئی دہلی
ہدیہ فی پارہ چھ روپے

تیرھواں پارہ

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ‌ ۚ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوۡٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىۡ ؕ

اور میں اپنے آپ کو پاک نہیں کہتا بے شک نفس بُری بات سکھاتا ہے ہاں اگر میرا رب رحم کرے

اِنَّ رَبِّىۡ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ۝

بلاشبہ میرا رب غفور رحیم ہے

تفسیر یہ بھی حضرت یوسفؑ کے قول کا تتمہ ہے۔ آپ نے اپنی عصمت و عفت ظاہر کی، مگر آخر میں یہ بھی فرما دیا کہ میں اپنے نفس کو [illegible] بندہ بشر ہے، نفس سرکش ساتھ لگا ہوا ہے جو ہر وقت گناہ کا خیال دل میں ڈالتا رہتا ہے۔ مگر پروردگار کی رحمت میرے شامل حال تھی اس نے بچا لیا۔

ابن کثیر نے بحوالہ ابن جریر ابن عباس کی طرف منسوب کرتے ہوئے ایک روایت نقل کی ہے جس کا آخر حصہ یہ ہے کہ جب یوسفؑ نے ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ اَنِّىۡ لَمۡ اَخُنۡهُ بِالۡغَيۡبِ کہا تو جبریل نے کہا کیا اس روز بھی تم نے خیانت نہیں کی تھی جب کہ زلیخا کی طرف ارادہ کیا تھا؟ اس پر حضرت یوسفؑ نے کہا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفۡسِىۡ‌ اِنَّ النَّفۡسَ لَاَمَّارَةٌ الخ۔ مجاہد، عکرمہ، سعید بن جبیر، ابن ابی الہذیل، ضحاک، حسن، قتادہ اور سدی سے یہ روایت مروی ہے، لیکن اہل تحقیق نے بیان کیا ہے کہ مؤخر الذکر تمام تابعین و تبع تابعین کا مقصود یہ ہے کہ ذٰلِكَ لِيَعۡلَمَ یوسف کا مقولہ ہے زلیخا کا قول نہیں۔ آخری قول کی سند کی ضرورت ہے۔ یہ روایت فرقہ حشویہ کی تصنیف ایجاد ہے جو یوسف کو بلکہ ہر نبی کو کسی نہ کسی طرح داغ دار کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انبیاء کو معصوم نہیں جانتے۔ محققین کی نظر میں ایسی روایات کسی طرح قابلِ اعتبار نہیں۔

ایک ضروری نکتہ نفس کیا چیز ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ شیطان نہیں، قلب نہیں، فرشتہ نہیں، عقل نہیں، کوئی خارجی چیز نہیں تو پھر کیا ہے؟ میرے نزدیک جب تک طبیعت بشری ناجائز شہوت و غضب کی طرف مائل رہتی ہے اس کو نفسِ امّارہ کہا جاتا ہے۔ جب اس سے آگے بڑھتی ہے تو خیر و شر، طاعت و گناہ اور نیکی بدی میں کشمکش جاری رہتی ہے۔ بُرے فعل پر اپنے کو ملامت کرتی ہے اور گناہ سے روکتی ہے تو اس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر سکونِ روح اور اطمینان ایمانی حاصل ہو جاتا ہے تو نفسِ مطمئنہ کا درجہ آجاتا ہے۔ حضرت یوسفؑ آخری درجہ پر فائز تھے، اسی اطمینان ایمانی اور کمال الیقین کی وجہ سے معصیت سے محفوظ رہے تو آپ نے اپنی پاکدامنی اور عدم خیانت کا اظہار کیا لیکن اس [illegible] طبیعت بشریت کے دائرہ سے الگ تھی؟ اس شبہ کو [illegible] کے لیے آپ نے فرما دیا کہ میں ابتدائی [illegible] کے لحاظ سے اپنے کو پاک دامن نہیں کہتا۔ نفس امارہ اور طبیعت تو میرے پاس بھی ہے، مگر خداوند رحیم [illegible] کے وسوسہ سے بچا لیا اور میں پاک دامن رہا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نفس [illegible] جب اللہ کی صفت اس عالم فعل میں آتی ہے تو اس کو [illegible] اسی وجہ سے یہ انسان نفس کو [illegible] ان اعمال و افعال کے ارتکاب کرنے پر آمادہ کرتا ہے جن [illegible] انہی ہوتا ہے۔ گویا حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ [illegible] فطری مجھے بھی ان ہی امور کی طرف لیجانا چاہتا ہے جو عموماً انہی کا موجب [illegible] طاری کرنے والے ہیں، لیکن اللہ کی [illegible] امتحان سے بچا لیا یعنی میرے اندر دونوں صفات موجود [illegible]

toobaafoundation.com

قہر قدم اور رحمت قدم، مگر رحمت قہر پر غالب آئی۔

شیخ ابو حفص کا قول ہے کہ نفس بالکل تاریکی ہے اور اس کا چراغ سِرِّ باطن ہے اور اس چراغ کا نور توفیقِ الٰہی ہے۔ پس توفیقِ الٰہی جس کی مددگار نہ ہو وہ بالکل تاریکی میں رہے گا بلکہ بالکل تاریک ہوگا۔ گویا رحمت نام ہے توفیق کا اور نفس نام ہے تاریکی کا اور سِرِّ باطن نام ہے چراغ کا۔ تاریکی کو دور کرنے والی چیز چراغ ہے، مگر اللہ کی توفیق و رحمت کے سبب سے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ أَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِي ۖ فَلَمَّا كَلَّمَهُ قَالَ إِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

بادشاہ نے کہا میرے پاس یوسف کو لے آؤ میں خالص طور پر اُس کو اپنے لئے رکھوں گا پس جب بادشاہ نے یوسف سے کلام کیا تو کہا بلاشبہ آج تم

مَكِينٌ أَمِينٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ ۖ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ ۝ وَ

ہمارے ہاں باعزت اور معتبر ہو　یوسف نے کہا آپ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں　میں اُن کا محافظ اور دانا ہوں　اسی

كَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ يَتَبَوَّأُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاءُ ۚ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا

طرح ہم نے یوسف کو　اُس ملک پر قابض　کردیا　جہاں چاہتا　رہتا تھا　جسے چاہتے ہیں ہم اپنی رحمت پہنچاتے

مَنْ نَشَاءُ ۖ وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ ع

ہیں اور نیکی کرنے والوں کا　اجر نہیں کھوتے　اور آخرت کا اجر تو ان لوگوں کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو مومن ہیں اور پرہیزگار　رہتے ہیں

تفسیر تفسیر سراج میں بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ دوبارہ ایلچی قید خانہ میں حضرت یوسف کے پاس گیا۔ لباس فاخرہ پیش کیا۔ آپ نے قبول کیا۔ غسل کرکے شاہی خلعت پہن لیا۔ چلتے وقت نہایت حسرت سے جیل والوں کو رخصت کیا اور وقت وداع فرمایا پروردگار ان پر نیکوں کے دل مہربان فرما۔ باہر نکل کر جیل کے دروازہ پر لکھا یہ مکان امتحان گھر ہے۔ زندوں کا مقبرہ ہے، غم و الم کی کوٹھری ہے۔ دوستوں کے تجربہ کا اور دشمنوں کے مضحکہ کا مقام ہے۔ اس کے بعد شاہی دربار میں پہنچے۔ عبرانی زبان میں سلام کیا۔ بادشاہ نے بڑی مہربانی کے ساتھ بٹھایا اور تعجب کے ساتھ کہنے لگا بڑے بڑے ساحر و کاہن میرے خواب کی تعبیر سے عاجز ہیں اور یہ نوجوان واقف ہے۔ اس کے بعد زبانی تعبیر دینے کی خواہش کی آپ نے بالمشافہ بھی وہی تعبیر دی جو پہلے دے چکے تھے۔ کچھ دیر گفتگو کے بعد فرعون نے بفراست جان لیا کہ اس کے اندر قابلیت و کاردانی کے جوہر پوشیدہ ہیں۔ بولا آج سے تم ہمارے قابلِ اعتبار مقرب ہو۔ ہم تم کو امانتدار جانتے ہیں۔ پھر قحط سے محفوظ ہونے کی تدبیر پوچھی۔ آپ نے مذکورہ بالا رائے دی۔ فرعون نے کہا تو ایسے زبردست کام کا ذمہ دار کون ہوگا؟ حضرت یوسف نے فرمایا آپ مجھے فنانس اور ریونیو کا حاکم بنا دیجئے۔ میں آمد و خرچ کے حساب کتاب سے خوب واقف ہوں۔ ابن کثیر نے بروایت شیبہ بن نعامہ یہ مطلب بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف نے فرمایا جو کچھ آپ مجھے بطور ودیعت دیں گے میں اس کی خوب حفاظت کروں گا اور ایام قحط کا علم بھی مجھے خوب ہے۔ (رواہ ابن ابی حاتم) گویا ابن کثیر کے نزدیک خزائن سے مراد غلہ ہے، لیکن صاحب معالم نے خزائن سے مراد خراج و محاصل ملکی کو قرار دیا ہے۔ ابن عباس کی روایت ہے کہ اگر یوسف خود امارت کی درخواست نہ کرتے تو اسی وقت حاکم بنا دیے جاتے، لیکن درخواست کرنے پر ایک سال تاخیر کے بعد مقرر کئے گئے۔

امام رازی فرماتے ہیں اللہ کی عجیب قدرت دیکھو کہ جب یوسف نے قید خانہ سے نکلنے میں ڈھیل ڈالی تو اصرار کے ساتھ بلوائے گئے اور جب

toobaafoundation.com

خود درخواست امارت میں جلدی کی تو اللہ نے خواہش پوری کرنے میں ایک سال کی تاخیر کردی۔ اس میں اشارہ ہے کہ انسان کو تمام امور اللہ کے سپرد کردینے چاہئیں۔ اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح (یعنی جیسی امانت پرہیزگاری اور خدا پرستی کے صلہ میں) ہم نے یوسف کو قید خانے سے نکال کر شاہی دربار میں پہنچایا اور بادشاہ کا معتمد بنایا اسی طرح ملک مصر میں ہم نے اس کی جڑوں کو مضبوط کر دیا اس کو حکومت دے دی۔ (بقول سدی و عبدالرحمٰن بن زید) یوسف جس طرح چاہتا ملک میں تصرف کرتا تھا کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ تھا۔ تفسیر سراج میں بروایت ابن عباس بیان کیا ہے کہ یوم درخواست سے جب ایک سال کی میعاد گزر گئی تو فرعون نے یوسف کو اپنی انگشتری اور تاج اور تلوار اور تخت سپرد کر دیا اور تمام امور مملکت تفویض کر دیئے۔ یوسف نے کہا تخت پر بیٹھ کر تو آپ کی سلطنت کو مستحکم کروں گا اور میرے سلطنت کا انتظام درست رکھوں گا۔ رہا تاج تو یہ میرے باپ دادا کا لباس نہیں پھر بادشاہ نے اعلان کر دیا کہ آج سے یوسف نائب سلطنت ہے۔ ابن کثیر نے بروایت محمد بن اسحاق بیان کیا کہ اطفیر کا انتقال اسی زمانے میں ہو گیا۔ ابن کثیر نے بروایت فضیل بن عیاض یہ بھی لکھا ہے کہ عزیز مصر کی بیوی یوسف کے راستہ میں (ایک روز) جا کر کھڑی ہوئی اور آواز کے ساتھ کہنے لگی لائق ستائش ہے وہ اللہ جو وحدہٗ لاشریک ہے، جس نے طاعت کے سبب غلاموں کو بادشاہ کر دیا اور نافرمانی کی وجہ سے بادشاہوں کو غلام بنا دیا۔ معالم و سراج میں بروایت ابن زید یہ بھی بیان کیا ہے کہ ملک مصر میں حضرت یوسفؑ کی ذات سے عدل قائم ہوا۔ آپ کے ہاتھ پر بادشاہ بھی مسلمان ہو گیا اور رعایا میں بھی بہت سے لوگ۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت سے نوازتے ہیں (لیکن یاد رکھو کہ یوں تو اللہ کی رحمت اسی کی مشیت کے تابع ہے وہ جس کو چاہے دے) مگر نیکوکار لوگوں کو ہم ثواب ضرور دیتے ہیں (دنیا میں بھی دیتے ہیں اور آخرت میں بھی) لیکن کوئی ضروری نہیں کہ دنیا میں ہر شخص کو اس کی نیکی کا پھل مل جائے۔ ہاں آخرت کا ثواب ضرور ملے گا اور وہ پرہیزگار اہلِ ایمان کے لئے دنیا کے ثواب سے کہیں بڑا اور بہتر ہے۔

مقصودِ بیان حضرت یوسفؑ نہایت دانا اور سلیقہ مند تھے۔ شاہِ مصر ان کی گفتگو اور ان کی دانائی کو دیکھ کر سمجھ گیا۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ مسلمان کو ہر موقع کے مناسب گفتگو کرنی چاہئے۔ غریب سے اس کے لائق اور بادشاہوں سے اس کے مناسب۔ حضرت یوسفؑ کی استدعار حکومت کو ظاہر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر مخلوقِ الٰہی تکلیف میں ہو، ظلم، قحط و فلاکت کی شکار بنی ہوئی ہو اور کوئی شخص اس قابل ہو کہ حکومت کر کے ان کے مصائب کو دور کر سکے تو ایسی صورت میں امارت و حکومت کی درخواست کرنی بے جا نہیں بلکہ ضروری ہے۔ حضرت یوسف نے حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ اپنے لئے کہا اس سے اس مقصود کی جانب ایماء کرنا مقصود ہے کہ اگر خلقِ خدا کے فائدے کے لئے آدمی اپنی حسنِ قابلیت، استعداد، علمی تجربہ اور تمام ذاتی خصوصیات کو ظاہر کرے تو ناجائز نہیں بلکہ مناسب ہے۔ لفظ مَكَّنَّا بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی جڑیں حضرت یوسف کی وجہ سے مصر میں مستحکم کر دی تھیں۔ يَتَبَوَّأُ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف اگرچہ لقب کے لحاظ سے وزیر تھے، مگر کل اختیاراتِ شاہی کے مالک تھے۔ مصر میں جو کچھ چاہتے کر گزرتے، کوئی روکنے والا نہ تھا۔ آیت نُصِیْبُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے جس قدر انعامات و عطیات ہیں وہ کسی استحقاق کی بنا پر نہیں نہ بطور ایجاب یا جوب کے ہیں بلکہ محض اس کے رحمت و کرم پر مبنی ہیں۔ پھر وَلَا نُضِیْعُ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو بھی نیکوکاری کی کوشش کرنی چاہئے۔ کسی کی نیکی ضائع نہیں جاتی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اپنی نیکی کے صلے کا یہیں خواستگار بن جائے اور یوسفؑ کی طرح بادشاہ بننے کا امیدوار ہو جائے بلکہ مناسب یہ ہے کہ ثمرۂ نیکی آخرت میں تلاش کرے اور عاقبت کے ثواب کا امیدوار ہو وہ ثواب دنیوی اجر سے بڑا ہے، مگر ایمان و اعمال بد سے احتراز لازم ہے۔ متقی وہی لوگ ہیں جو اعمالِ بد سے بچتے اور نیک کاموں سے رغبت رکھتے ہیں۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ

پھر یوسفؑ کے بھائی آکر اُس کے پاس پہنچے یوسفؑ نے اُن کو پہچان لیا مگر وہ یوسف کو نہ پہچان سکے جب یوسف نے اُن کا سامان تیار

toobaafoundation.com

بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْ

کر دیا تو کہا (اب کی بار) اپنے علاتی بھائی کو بھی میرے پاس لانا دیکھو ہیں پورا پورا پیمانہ دیتا ہوں اور بہترین مہماں

الْمُنزِلِينَ ○ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ○ قَالُوا

نواز ہیں اگر تم اُس کو میرے پاس نہ لاؤ گے تو پھر تم کو میرے پاس بھرتی نہ ملے گی اور پاس بھی نہ پھٹکنا اُن لوگوں نے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ○ وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي

کہا ہم اس کی طرف سے باپ کو پھسلائیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے یوسفؑ نے اپنے خدمتگاروں سے کہہ دیا کہ ان لوگوں کا سامان بھی ان کی

رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ○

بوریوں میں رکھ دو تاکہ جب یہ واپس ہو کر اپنے گھر والوں کے پاس پہنچیں تو سامان کو پہچان لیں ممکن ہے لوٹ آئیں

تفسیر آیات کا مطلب صاف ہے۔ بھائیوں نے یوسفؑ کو نہ پہچانا۔ صغرسنی میں چھوڑا تھا اور اب یوسفؑ میانہ عمر کو پہنچ گئے تھے۔ پھر غلام بنا کر فروخت کیا تھا۔ تخت شاہی پر پہنچنے کا ان کو گمان بھی نہ تھا۔ پھر بقول عطاء حضرت یوسفؑ شاہی لباس پہنے تھے اور بقول مفسر سراج حاجبوں کو حکم دے دیا تھا کہ بھائیوں کو دور رکھا کرو۔ اس کے علاوہ یہ بھی روایت ہے کہ مصر کی عورتوں سے چہرہ چھپانے کے لئے آپ چہرے پہ حجاب ڈالے رہتے تھے۔

مقصود بیان حضرت یوسفؑ نے بذات خود عبرانی مہمانوں سے گفتگو کی۔ اس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ پردیسی کی خاطر مدارات چاہیئے اور بادشاہ و بذات خود تفقد احوال لازم ہے۔ بجائے اِخْوَةُ يُوسُفَ کہنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ علاتی بھائیوں کو شرعاً بھائی کہا جاتا ہے اور کوئی بھائی اپنے بھائی پر کتنا ہی ظلم کرے یہاں تک کہ اس کو قتل کرنے کا بھی ارادہ کرے تب بھی رشتہ اُخوت منقطع نہیں ہو سکتا گویا اس سلسلہ رحم کا انقطاع ناممکن ہے۔ اَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ میں حضرت یوسفؑ کے اخلاق کریمانہ کی طرف ایماء ہے کہ باوجودیکہ بھائیوں نے ان کے ساتھ زیادتی کی، مگر انہوں نے اپنے ذاتی کرم کی بنا پر کوئی مواخذہ نہیں کیا بلکہ ان کی انتہائی خاطر مدارات کی۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے آپ کو نہ پہچانا۔ اہل حقیقت نے اس کا منشا یہ نکالا ہے کہ انسان کی معصیت حجاب بن جاتی ہے۔ گناہ گار نافرمان انسان نہ خطاب الٰہی کو سنتا ہے نہ جلوہ حق دیکھتا ہے نہ آثار قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے بلکہ دل کے اندر ہی اندر محبوس اور نفس کی تاریکی میں معطل رہتا ہے۔ بلکہ خاصانِ خدا کی شناخت بھی اس کو نہیں ہوتی اس کو امتیاز نہیں ہوتا کہ کس کے اندر نور حق پرتو فگن ہے اور کون تاریکی میں ہے یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اولیاء کو نہیں پہچانتے۔ حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے کہا تھا کہ اگر تم اپنے علاتی بھائی کو نہ لائے تو پھر میں تم کو غلہ نہ دوں گا اور نہ میرے پاس آنا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ اپنی میزبانی کے معاوضہ کے طالب تھے جو بزرگوں کا قاعدہ نہیں ہے مگر حقیقت کچھ اور تھی۔ آپ کے کلام سے درپردہ اس طرف اشارہ مستنبط ہوتا ہے کہ جو شخص محبت الٰہی کے راستے میں عہد محبت کو پورا نہ کرے اس پر وصال کی راہیں تنگ کر دی جاتی ہیں۔ جو شخص احکام عبودیت کی خلاف ورزی کرے وہ مقام قرب سے محروم رہتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کا مقصد معاوضہ کی طلب نہ تھی بلکہ یہ ظاہر فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے عہد پر قائم نہ رہے اور وعدہ کو پورا نہ کیا تو مجھے بھی حق ہے کہ تم سے ترک تعلق کر لیں اور اپنے پاس نہ آنے دوں۔ حضرت یعقوبؑ یوسفؑ سے محبت رکھتے تھے۔ یہ محبت وہ تو نہ تھی جو خالق کل سے تھی۔ تاہم مجازی محبت انتہائی ترقی پر پہنچ چکی تھی ایسا درجہ کو پہنچ کر محبت حق سے مانع ہوتی اس لئے

toobaafoundation.com

غیرت حق کو گوارا نہ ہوا کہ یوسفؑ یعقوبؑ کے پاس رہے۔ پھر یعقوبؑ کو بن یامین سے محبت ہوئی اور انھوں نے یوسف کا بدل ان کے بھائی کو سمجھا۔ یہ بھی حق تعالیٰ کو گوارہ نہ ہوا۔ اس میں بھی شرکت محبت کی بو آنے کا احتمال تھا اور اس سے بھی خدا کے خاص بندے کا مرتبہ کم ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے یوسف کی زبان سے بن یامین کو طلب کرایا اور پھر تدبیر سے مصر میں رکھ کر یعقوب کو خالص اپنے لئے بنالیا۔ حضرت یوسف آغاز ہی میں یہ کل کیفیت کا اظہار کرسکتے تھے اور بھائیوں سے تمام گزشتہ واقعات کہہ سکتے تھے مگر آپ نے یہ بات اس کے موقعہ پر ظاہر کی تاکہ بھائیوں کو اپنے کرتوت پر ندامت ہو اور وہ سمجھ لیں کہ تقدیر الٰہی کو کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی اور فضیلت عزت ہے۔ بڑا اور چھوٹا بھائی ہونا باعث امتیاز نہیں۔ تدبیر یوسف سے مسلمانوں کو سبق ملتا ہے کہ ہر کام کو اس کے وقت اور موقع پر کریں۔ اندھا دھند خلاف عقل اور خلاف شرع نہ کریں۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کا کل سامان ان کے غلے کی بوریوں میں پوشیدہ رکھوا دیا۔ آپ نے خیال کیا کہ گھر پہنچنے کے بعد جب وہ سامان کو غلہ کے اندر دیکھیں گے تو پرایا مال ہضم کرنا گوارا نہ کریں گے اور سمجھیں گے کہ غلطی سے یہ سامان رکھ دیا گیا ہے۔ لامحالہ لوٹانے کو آئیں گے۔ اس سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی اگرچہ ایک غلطی کے مرتکب ہوگئے تھے مگر واقع میں وہ نیک، خدا پرست اور امانت دار تھے۔ پرایا مال کھانا ان کو گوارا نہ تھا۔ ان کی فطرت صالح تھی۔ دوسرے یہ احتمال بھی تھا کہ شاید ان کے پاس اور مال نہ ہو اور وہ کمترین سرمایہ بھی غلہ کے عوض آئندہ پیش کرنے سے قاصر ہوں اور اس بنا پر نہ آئیں، اس لئے آپ نے ان کا سامان واپس کر دیا تاکہ اسی کو لے کر پھر آجائیں۔ اس زمانے کے مسلمانوں کو اس بیان سے اتنی نصیحت ملتی ہے کہ عہد کی پابندی لازم ہے۔ امانتداری شیوۂ انبیاء ہے۔ پرایا مال ہضم کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ کسی کی غلطی سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہیے وغیرہ۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ

غرض جب وہ لوٹ کر اپنے باپ کے پاس پہنچے تو بولے اے ابا ہم سے بھرتی روک دی گئی آپ ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تاکہ ہم بھرتی لے آئیں

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ

ہم اس کی ضرور حفاظت کریں گے　باپ نے کہا میں اس پر تمہارا ایسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا اس سے پہلے اس کے بھائی کے متعلق کیا تھا　خیر

قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا

خدا بہترین نگہبان ہے　وہی سب سے زیادہ مہربان ہے　جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو اس میں

بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ

اپنا سرمایہ پایا جو ان کو واپس کر دیا گیا تھا　کہنے لگے اے ابا ہمیں اور کیا چاہیے　یہ ہمارا سرمایہ بھی واپس کر دیا گیا　اب ہم اپنے

وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ

گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی نگہداشت رکھیں گے اور ایک اونٹ کی بھرتی زیادہ دلیں گے یہ بھرتی تو سہل ہے　باپ نے کہا

لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ

میں اس کو ہرگز نہ بھیجوں گا تاوقتیکہ تم خدا کو گواہ کر کے مجھ سے پختہ عہد نہ کرو کہ جب تک تمہارا گھراؤ نہ ہو جائے تم ضرور واپس لے آؤ گے

toobaafoundation.com

بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا

پاس لے آؤ گے غرض جب باپ کو انھوں نے پختہ قول قرار دیدیا تو باپ نے کہا ہمارے اس قول پر اللہ ذمہ دار ہے پھر کہا میرے بیٹو!

تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۭ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ

ایک دروازہ سے سب داخل نہ ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے داخل ہونا مگر میرا اللہ کے حکم سے تم کو

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝

بالکل نہیں بچا سکتا حکم تو بس اللہ ہی کا ہے اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اُسی پر بھروسہ کرنا چاہئے

تفسیر حضرت یوسفؑ کے بھائی لوٹ کر جب گھر پہنچے تو باپ سے عزیز کی بہت تعریف کی کہ اس نے ہماری بڑی خاطر تواضع کی اور غلے کے اونٹ بھی بھر کر دیئے (ایک روایت میں ہے کہ) حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں سے فرمایا اب کی مرتبہ تم جاؤ تو میرا اس سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ ہمارا باپ پیغمبر ہے آپ کے احسان کے عوض وہ بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ خدا کبھی آپ کو پریشان نہ رکھے۔ اس وقت بیٹوں نے کہا اے باپ آئندہ کے لئے بادشاہ نے کہہ دیا ہے کہ اگر اپنے علاتی بھائی کو نہ لاؤ گے تو میرے پاس نہ آنا میں غلہ نہ دوں گا لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بن یامین کو بھیج دیں تاکہ ہم کو مقررہ غلہ مل جائے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی حفاظت رکھیں گے اولاد اسمٰعیل نے بن یامین کو اس موقع پر بھائی اس وجہ سے کہا کہ حضرت یعقوب پر گفتگو کا اثر جم جائے اور وہ سمجھ لیں کہ بن یامین ان کا بھائی ہے اور بھائی ہمیشہ بھائی کا شفیق اور مہربان ہوتا ہے پھر یہ حفاظت کا پختہ وعدہ بھی کر رہے ہیں، اس لئے اب دغا نہ کریں گے۔ لیکن بیٹوں کی گفتگو کا باپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔ فرمایا میں تم پر اعتماد نہیں کر سکتا۔ تم کیا اور تمہاری حفاظت کیا۔ تم نے پہلے کون سی حفاظت کی تھی کہ اب مجھے تمہارا اعتبار ہو۔ محافظ تو اللہ ہے اس کی حفاظت سے نگہداشت ہو سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ تم اس کو بھائی کہہ کر اپنی رحمت و شفقت کا اظہار کر رہے ہو تو یہ بھی غلط ہے، ارحم الراحمین تو خدا ہے۔ تمہارے رحم و کرم کی حقیقت تو معلوم ہو چکی اللہ کی رحمت کی ضرورت ہے۔ جب بیٹے لاجواب ہو گئے اور سامان کھولا اور غلہ کے اندر اپنا سرمایہ ملا تو اب بات مجو گئی کہنے لگے باپ دیکھئے ہم نے عزیز کی مہمان نوازی کا تذکرہ غلط نہیں کیا تھا۔ اس نے ہمارا سامان بھی واپس کر دیا۔ اب تو ہمارے ساتھ بھائی کو کر دیجئے۔ ہم اس کی برادرانہ حفاظت کریں گے۔ ہمارے بال بچوں کو بھی اناج مل جائے گا اور اس کے حصہ کا اونٹ بھر غلہ اور بھی ملے گا حضرت یعقوبؑ جب بیٹوں کے اصرار پر مجبور ہو گئے تو فرمایا میں تمہاری پناہ میں تو دے نہیں سکتا نہ تمہارے زبانی وعدے کا اعتبار ہے۔ ہاں اگر اس بات کا عہد کرو اور خدا کو ضامن کرو کہ جب تک تم سب مغلوب نہ ہو جاؤ اور کوئی دشمن تمہارا محاصرہ نہ کر لے اس وقت تک تم اس کی حفاظت کرو گے بیٹوں نے اللہ کو گواہ کر کے عہد کیا۔ حضرت یعقوبؑ نے فرمایا دیکھو اللہ حاضر ناظر ہے۔ ہمارے معاہدے کا ضامن ہے۔ دغا نہ کرنا۔

اس کے بعد باقتضائے شفقتِ پدری بیٹوں کو نصیحت کی اور جمہور صحابہ و تابعین کی صراحت کے بموجب آپ کو اپنی اولاد کے متعلق نظر لگنے کا اندیشہ تھا، اس لئے اجتماعی صورت میں شہر میں داخل ہونے کی ممانعت فرما دی۔ اول تو ان میں سے ہر ایک کا حسن خود نظر فریب اور دلکش تھا پھر سب بھائی تھے باہم مشابہ تھے ناک نقشہ اور رنگ ایک تھا۔ ان کا اجتماع فریفتہ و صورت نوازی کا سامان پیدا کرتا تھا، اس لئے آپ نے جدا جدا داخل ہونے کی ہدایت کی تاکہ نظر بد سے کسی طرح حفاظت ہو جائے لیکن آپ نبی تھے حقائق عالم سے واقف تھے۔ جانتے تھے کہ نظر میں بھی تاثیر خدا نے پیدا کی ہے۔ میری تدبیر تقدیر کو بدل نہیں سکتی مسبب محض خدا ہے، اس لئے فرمایا کہ یہ تو صرف ظاہری تدبیر ہے ورنہ کارساز تو اللہ ہی ہے۔ جب اللہ کی مقرر کردہ تکلیف کو کسی طرح دفع نہیں کر سکتا۔ کل عالم کا فیصلہ، راحت، مصیبت، اچھائی برائی اور نفع نقصان

تو اسی کے ہاتھ میں ہے لہٰذا میرا بھروسہ اسی پر ہے اور بھروسہ کرنے کے قابل بھی وہی ہے۔

نظر کی تحقیق علماء اہل سنت متفق ہیں کہ نظر لگنا حق ہے۔ فرقہ معتزلہ نظر کو ایک لغو چیز سمجھتا ہے۔ ہم نظر بد کی تاثیر کے ثبوت میں دو دلیلیں بیان کرتے ہیں نقلی اور عقلی۔ (۱) صحیح مسلم میں وارد ہے کہ ایک خوبصورت گورے رنگ کے صحابی کو دوسرے شخص نے دیکھ کر کہا کیسا خوبصورت ہے۔ حضور کو یہ الفاظ ناگوار گزرے اور فرمایا تجھے ماشاء اللہ کہنا نہ آتا تھا۔ چنانچہ وہ خوبصورت صحابی واپس گئے تو راستہ میں ہی ان کو بخار آگیا اور چہرہ زرد پڑ گیا۔ حضور کو اطلاع ملی تو آپ نے نظر لگانے والے کو بلا کر بیمار کے پیچھے کھڑا کیا اور ایک برتن میں پانی لے کر اس کے بیسوں ناخون و دیگر مخصوص اعضاء اس پانی میں ڈبو کر صحابی کے سر پر سے اس برتن کو اتار کر نظر لگانے والے پر پانی ڈال دیا اور پھر اس کو نظر پھیرے ہوئے واپس چلا جانے کا حکم دیا اس سے صحابی کو صحت ہو گئی۔

صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا نظر حق ہے۔ امام احمد کی روایت میں اس کے ساتھ اتنا زیادہ ہے کہ نظر کے ساتھ آدمی کا حسد اور شیطان لگا ہوا ہوتا ہے

امام مسلم کی روایت میں آیا ہے کہ نظر بد اونٹ کو ہانڈی میں اور آدمی کو قبر میں داخل کر دیتی ہے۔ صحاح و سنن کی روایت ہے کہ حضور والا حسنین کے لئے بطور تعویذ یہ دعا پڑھتے تھے۔ أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّعَيْنٍ لَامَّةٍ۔

عبادہ بن صامت کہتے ہیں دن چڑھے میں حضور کی خدمت میں مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ آپ پر بیماری کی تکلیف سخت ہے۔ پھر واپس آکر پچھلے دن میں گیا تو میں نے بیماری میں افاقہ دیکھا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا میرے پاس جبرئیل آئے تھے اور یہ افسون پڑھا تھا۔ بِسْمِ اللهِ أَرْقِيكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُؤْذِيكَ مِنْ كُلِّ عَيْنٍ حَاسِدٍ اللهُ يَشْفِيكَ۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کے بچے گورے گورے خوبصورت تھے۔ آپ کے یہاں کام میں شریک ہو گئے۔ ایک روز حضرت اسماءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ان کو بہت جلد نظر لگتی ہے۔ کیا نظر بد دور کرنے کے لئے میں ان پر رقیہ و افسون پڑھوں؟ فرمایا ہاں۔

ایک روز حضور والا ام المومنین ام سلمہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہاں ایک بچہ بیمار تھا۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ اس کو نظر لگ گئی ہے۔ فرمایا تم اس پر رقیہ کیوں نہیں کرتے ہو یعنی جھاڑ پھونک سے نظر اتارو۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدس نظر لگانے والے کو وضو کرنے کا حکم دیتے پھر اسی پانی سے اس شخص کو غسل دینے کا حکم دیتے جس کو نظر لگی ہوتی۔

ان قوی اور باوثوق روایات کے ہوتے ہوئے نظر بد کی تاثیر کا انکار کرنا کس قدر جہالت ہے۔

(۲) یہ بالکل مشاہدہ ہے اور پیش پا افتادہ حقیقت ہے اور ہر شخص کا تجربہ ہے کہ بعض کی نظر سے ہیبت، بعض کی نظر سے خفت، بعض کی نظر سے دلیری، بعض کی نظر سے محبت اور بعض کی نظر سے عداوت پیدا ہوتی ہے۔ پھر کشش اور انقلاب حقیقت مسمریزم کی رکھنے والے دن رات کرتے ہی رہتے ہیں۔ تخیل کو یکسو کرنے کے بعد کسی پر نظر جمانا ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ مرغ کو کھینچ لینا، معمول کو تسخیر کر لینا ماہرین مسمریزم کے نزدیک معمولی کام ہے۔ ایسے مشاہدات اور تجربات کے باوجود نظر بد کا انکار کرنا کمزوری فہم کی دلیل ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگ نظر کو مؤثر سمجھتے ہیں اور حقیقت نظر مؤثر نہیں ہوتی نہ زبان سے نکلے ہوئے الفاظ ہوتے ہیں بلکہ داغی تخیل کی یکسوئی جس کا اظہار نظر یا زبان سے ہوتا ہے۔ اثر پیدا کرتا ہے۔ اب جس طرح کا تخیل ہوگا ویسا ہی اثر ہوگا۔ نظر لگانے والے کا تخیل عموماً حاسدانہ ہوتا ہے اور اگر مشفقانہ بھی ہو تب بھی اس کے اندر چونکہ حسد کا ملکہ اور شیطنت کی راسخ قوت ہوتی ہے، اس لئے یہ عارضی شفقت اس کے اصلی ملکہ سے مغلوب ہو جاتی ہے اور قوت راسخہ کے زیر اثر یا زبان کام کر جاتی ہے۔

مقصود بیان آیت وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ بتا رہی ہے کہ اگر اپنے اہل و عیال کے متعلق آدمی اپنے کو نگہبان اور محافظ کہے تو جائز ہے۔ رزق کا ذمہ دار اگرچہ خدا تعالیٰ ہے، مگر اسی عالم اسباب میں تدبیر کرنی باختیار ادب ہے۔ یوسفؑ کے بھائیوں نے جو

toobaafoundation.com

اہتمام رزق کی ایسی پُرتکلیف تدبیریں کیں اور حضرت یعقوبؑ نے بھی ان کی موافقت کی۔ اس سے کارخانۂ قدرت کے انتظام اور ضابطۂ قدرت کے عموم اور حکم کسب کی پابندی کی طرف اشارہ ہے۔ یعقوبؑ اگرچہ مقرب الٰہی تھے، مگر انتظام قدرت اور ضابطۂ فطرت سے وہ بھی مجبور تھے۔ ان کو بھی فراہمی معاش کے لئے دنیوی انتظام کرنا پڑتا تھا۔

آیت فَاللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا سے یہ بات واضح ہے کہ درحقیقت تھیم اور محافظ تو اللہ ہی ہے، آدمی کی رحمت و شفقت اور نگہداشت حفاظت ظاہری ہے۔ حَتّٰی تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا الخ سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص سے اس کی صداقت پر پختہ قسم اور اللہ کی ضمانت لینی سچ ہے۔ اَللّٰہُ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ کا مضمون دلالت کر رہا ہے کہ سچ بات پر اللہ کو گواہ کرنا صحیح ہے اور عظمت کبریائی کی نگہداشت سب سے اعلیٰ ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو نظر بد سے بچنے کی جو تدبیر بتائی اس سے مسلمانوں کو نصیحت حاصل کرنی چاہیئے اور علم و عقل کے امکانی اسباب پر کاربند رہنا چاہیئے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی یقین رکھنا چاہیئے کہ مدبّر و موثّر اور فاعل حقیقی محض ذات الٰہی ہے اسی کے تصرفات عالم میں جاری ہیں۔ کوئی تدبیر اس کے حکم کو بدل نہیں سکتی، مگر کورانہ توکل اور اسباب کو بالکل ترک کرنا بھی خلاف عقل و شرع ہے وغیرہ۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَہُمْ اَبُوْہُمْ ؕ مَا کَانَ یُغْنِیْ عَنْہُمْ مِّنَ اللّٰہِ مِنْ

الحاصل وہ باپ کی ہدایت کے موافق داخل ہوئے مگر یہ فعل اللہ کے حکم سے بالکل نہیں بچا سکتا

شَیْءٍ اِلَّا حَاجَۃً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰہَا ؕ وَاِنَّہٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰہُ

تھا صرف یعقوبؑ کے دل میں ایک خطرہ تھا جس کو انھوں نے پورا کرلیا مگر وہ بلاشبہ صاحب علم تھے کیونکہ ہم نے اُن کو تعلیم دی تھی

وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ع

اور اکثر لوگ ناواقف ہیں

تفسیر آیات کا مطلب صاف ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی حسب ہدایت والد مصر میں گئے، لیکن والد نے شفقت پدری کے اقتضا کو پورا کیا تھا ورنہ واقع میں ان کو حقیقت معلوم تھی۔ امام نخعی نے بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو معلوم تھا کہ عزیز مصر میرا بیٹا یوسف ہے، لیکن آپ کو اجازت نہ تھی کہ اس راز کو ظاہر کریں۔ اس روایت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کو کچھ باتیں ایسی معلوم ہوتی ہیں کہ جن کو ظاہر کرنے کی ان کو اجازت نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود ان کا ظاہری برتاؤ ایسا ہوتا ہے کہ گویا بالکل واقف نہیں ہیں۔

آیت وَاِنَّہٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰہُ الخ کی تفسیر میں بعض واقفان اسرار نے بیان کیا ہے کہ علوم پانچ طرح کے ہوتے ہیں۔ (۱) دنیا حاصل کرنے کے لئے تجارت صنعت و حرفت وغیرہ۔ (۲) انتظام دنیوی کے لئے کل قوانین سیاست اور ضوابط انتظام میں داخل ہیں۔ (۳) وہ علم جو موجب زینت ہے طبیعت میں جولانی اور تحقیقات عالم کی استعداد پیدا کرتا ہے۔ تمام علوم طبیعیہ و الٰہیہ اس میں داخل ہیں۔ (۴) وہ علم جس سے زہد و عبادت، خطرات نفس سے بچاؤ اور اوامر و نواہی کی واقفیت ہوجاتی ہے۔ یہ ظاہری شرائع کا علم ہے۔ (۵) وہ علم جو آزادی اور انقطاع کے لائق ہوا اور شاہد مقصود سے ہمکنار کردے۔ یہ شرایت کا منتہی ہے، لیکن اس میں دھوکہ اور غلطی بہت ہوجاتی ہے۔ صحت و غلطی کو جانچنے کا معیار ظاہر شریعت کی مطابقت و عدم مطابقت ہے۔ حضرت یعقوبؑ کو یہ علم بواسطۂ خدا تعالیٰ ملا تھا اور ایسے علم کا یہ آخری مرتبہ مراد ہے جو محض عطیۂ ربانی ہے۔

مقصود بیان آیات بتا رہی ہیں کہ صرف ظاہری اطمینان کے لئے تدبیر کرنی اگرچہ ناجائز نہیں، مگر حقیقت پر نظر رکھنی لازم ہے۔ اکثر لوگ اپنی اسکیموں اور تدبیروں پر مغرور ہوجاتے ہیں اور کارخانۂ قدرت کے اندرونی حقیقی کارساز سے غافل ہوتے

toobaafoundation.com

ہیں۔ اہلِ معصیت کو ایسا نہ ہونا چاہیئے وغیرہ۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّىٓ اَنَا اَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ

جب یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے بھائی کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا میں تیرا بھائی ہوں جو حرکات یہ کرتے

بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

رہے ہیں تو اُن سے رنجیدہ نہ ہو

تفسیر درمیانی قصہ کلام پاک میں نہیں بیان کیا۔ کھانے پر دو دو بھائیوں کو ساتھ بٹھانا اور بن یامین کا تنہارہ جانا اور یوسف کا اس کو اپنے ساتھ یہ کہہ کر بٹھانا کہ تم مجھے اپنے بھائیوں کے بجائے سمجھو اور پھر بن یامین کا یوسف سے اپنے بھائیوں کی سرد مہری کی شکایت کرنا اور حقیقی بھائی کو یاد کر کے حسرت لہجہ میں یاد کرنا کچھ نہیں بیان کیا گیا۔ سراج و معالم میں تفسیر آیات کے ذیل میں مفصل واقعہ موجود ہے۔ ہم بھی ابتدا میں لکھ آئے ہیں دوبارہ لکھنا موجب طوالت ہے۔ یہاں یہ ظاہر کرنا ضروری ہے کہ اگر یوسف بن یامین کو اچانک اطلاع دے دیتے تو شادی مرگ ہو جانے کا اندیشہ تھا، اس لئے بتدریج آگاہ کیا۔ پھر یہ آزمائش تھی کہ بھائیوں کا برتاؤ بن یامین کے ساتھ کیسا ہے؟ واقعی وہ اس کو اپنا چھوٹا بھائی جانتے ہیں یا وہی سوتیلے کا برتاؤ کرتے ہیں جب سب بھائی دو دو ملکر بیٹھ گئے اور بن یامین کو تنہا چھوڑ دیا تو ان کی محبت کی حقیقت بھی آشکارا ہو گئی۔

مقصودِ بیان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سب سے پہلے حضرت یوسفؑ نے واقعہ کی اطلاع بن یامین کو ہی دی۔ بن یامین کو کچھ شک ہوا تو مؤکد طور پر فرمایا میں درحقیقت تیرا بھائی ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں ہے۔ یوسف کے اس برتاؤ سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ آدمی فطرتاً حقیقی بھائی سے جتنی محبت رکھتا ہے اتنی غیر حقیقی سے نہیں رکھتا۔ گویا نسب کا قرب و بعد محبت کی زیادتی و کمی کا سبب ہے وغیرہ۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِىْ رَحْلِ اَخِيهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پھر جب اُن کا سامان تیار کر دیا تو ایک کٹورا اپنے بھائی کی خورجین میں رکھوا دیا اور منادی نے ندا دی

اَيَّتُهَا الْعِيرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُونَ ○ قَالُوا وَاَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُونَ ○ قَالُوا

کہ اے قافلہ والو تم ضرور چور ہو اور اُن کی طرف منہ کر کے بولے تمہاری کیا چیز گم ہو گئی ہے انہوں

نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيمٌ ○ قَالُوا تَاللّٰهِ

نے کہا شاہی پیمانہ ہم کو نہیں ملتا جو شخص اس کو لے آئے گا اس کو ایک بار شتر غلہ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں یہ بولے

لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِينَ ○

تم کو معلوم ہے کہ ہم اس ملک میں فساد پھیلانے نہیں آئے اور نہ کبھی ہم چور تھے

toobaafoundation.com

تفسیر
مفصل قصہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ ان آیات میں کچھ اختصار کے ساتھ اسی کا بیان ہے۔ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ وہ برتن جو بن یامین کے کجاوہ میں چھپایا گیا ہے۔ ابن اسحاق اور اکثر علماء کے قول کے بموجب چاندی کا تھا۔ بعض نے سونا ظاہر کیا ہے۔ عکرمہ کہتے ہیں چاندی کا تھا اور اس کو غلہ ناپنے کا پیمانہ بنا دیا گیا تھا اور مرصع بجواہر تھا۔ ابن زید کا قول ہے کہ وہ پانی پینے کا کٹورا تھا، مگر اس وقت اس سے غلہ ناپا جاتا تھا۔ ابن عباس، مجاہدؒ قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی قول ہے۔ سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ صُوَاعَ الْمَلِكِ چاندی کا تھا اس سے پانی پیتے تھے اور اتنا تھا جتنا عرب میں مکوک ہوتا ہے اور حضرت عباسؓ کے پاس اسلام سے پہلے ایسا ہی پیالہ تھا۔ ان تمام روایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ سقایہ اور صُواع ایک ہی چیز تھی۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ
منادی نے قافلہ والوں کو ندا دی تم چور ہو کیا محض شبہ کی بنا پر کسی کو چور کہنا جائز ہے اور پھر حضرت یوسف کو تو معلوم تھا کہ بن یامین کے کجاوہ میں پیالہ میں نے خود پوشیدہ کرایا ہے۔ ایسی صورت میں کسی پر چوری کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا زی نے اس کا جواب دیا ہے کہ جب پیالہ گم ہو گیا تو حضرت یوسفؑ نے خود آدمی کو بھیج کر کہلوایا کہ پیالہ قافلہ والوں میں سے کسی کے پاس ہوگا یا خود شاہی خادم کا ادھر خیال گیا۔ بہرحال آدمی دوڑا اور اس نے بغیر اجازت یوسف کے یہ الفاظ کہہ کر قافلہ والوں کو پکارا۔ آپ نے نہ اجازت دی اور نہ رضامندی ظاہر کی۔ قرآن میں صرف اتنا مذکور ہے کہ یوسف نے پیالہ پوشیدہ کرا دیا یہ نہیں ہے کہ آواز بھی خود دلوائی۔

مقصود بیان
بادشاہ کا فرض ہے کہ رعایا کے فقر و فاقہ کی خبر گیری کرے اور نہ فقط اپنی رعایا کی بلکہ اس کی سلطنت میں آنے والا کوئی مسافر بھی بھوکا نہ مرے اور یہ بھی جائز ہے کہ مسافروں کے اہل و عیال کے لئے کچھ سرمایۂ معاش ان کے ساتھ کر دے جس طرح حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو دیا۔ اگر حسنِ تدبیر سے کوئی لطیف حیلہ کیا جائے جس سے کسی کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو بلکہ فائدہ پہنچانا ہو تو جائز ہے جیسا حضرت یوسف نے بن یامین کے کجاوہ میں پیالہ پوشیدہ کرا دیا تھا۔ چور کو دریافت کرنے میں مشتبہ لوگوں کی تلاشی جائز ہے اور تلاش کے لئے کسی خاص شخص کو مامور کرنا بھی درست ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی مجرم ہو اور اس کے اس جرم کا انکشاف نہ ہو سکے تو ناغلب ہے کہ اسی قسم کے کسی اور جرم میں وہ مشتبہ قرار دیا جائے۔ اگرچہ اس نے یہ دوسرا جرم نہ کیا ہو جس طرح برادرانِ یوسف نے یوسف کو بطور سرقہ فروخت کر دیا اور ان کا جرم ابتداء میں نہ کھلا، لیکن شاہی پیمانہ چوری ہونے پر ان کو سارق کہا گیا باوجودیکہ سارق نہ تھے یہ جرم اول کی فطرتی سزا تھی۔ حصول وصال اور حصولِ سعادت کے بعد دنیا کی ہر ندامت اور سرزنش اور ہر بدترین خطاب آدمی کو ہیچ معلوم ہوتا ہے اس پر کسی طعن تشنیع اور ناسزا الفاظ کا اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ بن یامین کو جب بھائی کا وصال حاصل ہو گیا تو دوسرے بھائیوں کی سرزنش و نکوہش اور شاہی آدمیوں کا ان کو سارق کہنا کوئی چیز ان کی ناگواری کا باعث نہ بنی۔ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ جو لوگ قربِ الٰہی میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کو لذتِ وصال حاصل ہو جاتی ہے ان کو دنیا کے نابینا اور بدباطن لوگ کچھ بھی کہیں۔ مکار یا ہوس پرست یا مجنون و دیوانہ کے لقب سے یاد کریں، مگر ان کو اس سے تکلیف نہیں ہوتی وغیرہ۔

قَالُوا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ

شاہی آدمیوں نے کہا اگر تم جھوٹے ہو تو چور کی کیا سزا ہے؟ انھوں نے کہا سزا یہ ہے کہ جس کی خورجین میں پیمانہ پایا جائے وہی شخص

جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ

اس کا عوض ہے ہم ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں پھر یوسف نے اپنے بھائی کی خورجین سے پہلے اُن کی خورجینوں کی تلاشی شروع کی

اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ

اور بعد کو وہ پیمانہ اپنے بھائی کی خورجین سے نکال لیا ہم نے یوسفؑ کو یہ تدبیر بتائی تھی کیونکہ شاہی قانون میں وہ اپنے بھائی کو نہ پکڑ سکتا

toobaafoundation.com

الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ ۗ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ○

تھا　ہاں اگر مشیتِ خدا ہوئی تو خیر　ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں　اور ہر جاننے والے سے　بڑھ کر　جاننے والا ہے

تفسیر جب منادی کی نداسُن کر بھائیوں نے اپنی برأت ظاہر کی اور بولے ہم اہلِ تقویٰ ہیں مفسد نہیں ہیں، چوری ہمارا شیوہ نہیں ہے تو شاہی چوب داروں نے کہا اگر تمہاری چوری ثابت ہو جائے تو تم کیا سزا تجویز کرتے ہو؟ اہلِ قافلہ نے کہا جس کے سامان میں پیمانہ برآمد ہو جائے اس کو غلام بنالیا جائے۔ چور کو سزا دینے کا ہمارے یہاں یہی دستور ہے۔ قانونِ مصر میں اگرچہ چور کو غلام بنانے کی سزا نہ تھی، مگر برادرانِ یوسف نے اپنی شریعت کے مطابق یہ سزا تجویز کی گویا چوری سے اپنا بری ہونا نہایت بے باکی سے ظاہر کیا۔ غرض تفتیش و تلاشی شروع کی گئی۔ سب سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی آخر میں بن یامین کا سامان کھولا۔ اس میں پیمانہ برآمد ہوا۔ نتیجہ میں وہ سزا تجویز کی گئی جو اہلِ قافلہ نے خود بیان کی تھی اور بن یامین کو روک لیا گیا۔

آیت كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ کے ذیل میں ابن اعرابی نے کہا کہ کیدنا کے معنی ہیں تدبیر کرنا خواہ کسی حق مقصد کے لئے ہو یا باطل کے لئے۔ یوسف نے جو تدبیر کی وہ حق مقصد کے لئے تھی۔ تفسیر سراج میں ہے کہ مخلوق کا کید تو حیلہ اور مکر ہوتا ہے اور اللہ کا کید تدبیرِ حق کا نام ہے

مقصودِ بیان آیات سے ثابت ہے کہ کسی کا حق ضائع کرنے کے بغیر حیلہ و تدبیر کرنا چاہیئے۔ قانونِ مصر میں چور کی سزا غلامی نہ تھی۔ بن یامین کو روکنے کی تدبیر حضرت یوسفؑ کو الہام سے معلوم ہوئی۔ حضرت یوسف کو اپنے بھائیوں پر بہت زیادہ فضیلت حاصل تھی۔ معیارِ فضیلت علم ہے اور بھائی بھی عالم تھے۔ دنیا میں کسی کو کمالِ علمی حاصل نہیں۔ ہر عالم سے بڑھ کر عالم ہوتا ہے۔

قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَأَسَرَّهَا يُوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ

یہ لوگ کہنے لگے اگر اس نے چوری کی تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے　یوسف نے اپنے دل میں اس بات کو چھپا رکھا　ان پر

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَكَانًا ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ○ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ

ظاہر نہ کیا　اور بولے تم بڑے درجہ کے آدمی ہو　اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس کو اللہ خوب جانتا ہے　یہ بولے　اے عزیز

إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ ۖ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ ○

اس کا ایک بوڑھا باپ ہے　اس لئے اس کی بجائے ہم میں سے کسی کو پکڑ لیجئے　ہم جانتے ہیں　آپ　بھلائی　کرنے والے ہیں

ع ۹ ۱۱ ۳ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ ○ ع

یوسف نے کہا خدا بچائے کہ ہم سوا اس کے جس کے پاس ہم کو اپنا سامان ملا ہے　اور کسی کو پکڑیں اگر ہم ایسا کریں گے تو ہم ظالم ہوں گے

تفسیر پہلے تو برادرانِ یوسف نے نہایت بے باکی سے کہا تھا کہ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہوا اس کو گرفتار کر کے غلام بنالیا جائے، لیکن جب بن یامین کے سامان میں برآمد ہوا اور شرمندہ ہوئے تو بن یامین کو طعن و سرزنش کرنے کے بعد عزیز سے اپنی بے تعلقی

toobaafoundation.com

اور بن یامین کا سوتیلا پن ظاہر کرنے کے لئے غصہ میں بولے اگر یہ شخص اب چوری کرتا ہے تو کچھ تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا (ماں جایا) بھائی بھی چوری کر چکا تھا۔ سعید بن جبیر نے بروایت قتادہ بیان کیا ہے کہ یوسف نے اپنے نانا کا بت چرا کر توڑ ڈالا تھا۔ محمد بن اسحاق نے بروایت مجاہد بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب کی ایک بڑی بہن تھی اور اولادِ ابراہیم کا دستور تھا کہ حضرت ابراہیم کی کمر کا پٹکا (جو بہت متبرک سمجھا جاتا تھا) بڑی اولاد کو ملا کرتا تھا خواہ لڑکا ہو یا لڑکی۔ چنانچہ وہ پٹکا حضرت اسحاق کے توسط سے حضرت یعقوب کی بڑی بہن کو ملا تھا۔ پھوپھی نے یوسف کو گود لے لیا تھا۔ یعقوب کو یوسف کی جدائی کی تکلیف ہوئی تو وہ بہن کے پاس یوسف کو لینے گئے۔ بہن کو یہ بات منظور نہ تھی انہوں نے یوسف کو روکنے کی ایک تدبیر کی۔ حضرت اسحاق کا پٹکا چھپا کر یوسف کی کمر میں باندھ دیا۔ جب حضرت یعقوب یوسف کو لے جانے لگے تو بہن نے وہی پٹکا تلاش کیا ہوتے ہوتے یوسف کے پاس برآمد ہوا۔ یعقوب مجبور ہو گئے کیوں کہ شریعت کا دستور یہی یہ تھا کہ جس کے پاس چوری کا مال برآمد ہو اس کو صاحب مال روک سکتا تھا۔ بہن نے یوسف کو روک لیا۔ برادرانِ یوسف نے اسی قصہ کی طرف اشارہ کیا۔ مجاہد نے یہ قصہ اسرائیلیوں کی کتابوں سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم صحیح ہے یا غلط۔ تفسیر سراج میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت یوسف نے گھر کی ایک مرغی پکڑ کر فقیر کو دے دی تھی۔ وہب کا قول ہے کہ دسترخوان کا کھانا چھپا کر آپ فقیر کو دیدیتے تھے۔ ابن انباری کہتے ہیں کہ مذکورہ واقعات میں کوئی فعل بھی سرقہ نہیں تھا، مگر بھائیوں نے غصہ میں عار دلانے کے لئے اس کو سرقہ قرار دیا۔ بہرحال یوسف کو بھائیوں کی زبان سے حسد آفریں تہمت آمیز کلام سن کر بھی غصہ نہ آیا۔ آپ نے دل ہی دل میں کہا تم نے اس سے بھی بڑھ کر شرارت کی تھی۔ یعنی اس نے پیمانہ چرایا یا اس کے بھائی نے پٹکا چرایا تھا تو تم نے زندہ آدمی کو چرا کر غلام بنا کر فروخت کر دیا۔ جب سب بھائی مجبور ہو گئے اور دیکھا کہ یہاں کسی طرح دال گلتی نظر نہیں آتی تو عاجزانہ طرز میں کہنے لگے جناب والا اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اُس اس سے اُنس ہے۔ مہربانی فرما کر اس کو چھوڑ دیجئے اور اس کی بجائے ہم میں سے کسی ایک کو روک لیجئے۔ یوسف نے جواب دیا ہرگز نہیں ہو سکتا ہم اسی کو پکڑیں گے جس کے پاس ہمارا مال برآمد ہوا ہے۔ دوسرے کو پکڑنا تو قطعاً ظلم ہے۔

زمخشری اور بیضاوی نے کہا ہے کہ یوسف کی اصل مراد یہ تھی کہ اللہ نے بذریعہ وحی مجھے حکم دیا ہے کہ جس کے پاس پیمانہ برآمد ہو اس کو گرفتار کر لوں۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرنا ظلم ہے۔ ابن عادل نے لباب میں بیان کیا ہے کہ شاید اللہ نے اس بات کا حکم دیا تھا اور کسی مراعات کرنے سے جو بن یامین کی رہائی کے متعلق ہو منع کر دیا تھا۔

مقصودِ بیان امام رازی نے بیان کیا ہے یہ واقعہ دلالت کرتا ہے کہ جب حاسد اپنے حسد سے کوئی فعل کرتا ہے تو باوجود تکمیل فعل کے پھر بھی اس کے دل پہ محسود کی طرف سے آگ جلتی رہتی ہے۔ دیکھو بھائیوں نے صرف حسد کی بنا پر کنوئیں میں ڈالا پھر غلام بنا کر فروخت کیا، مگر حسد کی آگ نہ بجھی۔ مدت دراز کے بعد بھی طعن آمیز جملہ کہہ گزرے۔ پھر حضرت یوسف کی عالی ہمت اور عادلانہ کردار بھی دیکھنی چاہیئے کہ اپنے منہ پر جھوٹی تہمت سنتے ہیں اور زبان سے کچھ نہیں کہتے۔ سچ ہے ہر شخص کا حوصلہ جدا ہے۔ ہر کس بقدر ہمت اوست اس کے اندر مسلمانوں کو درس دیا گیا ہے کہ حاسدوں کے حسد کی پرواہ نہ کرو اور ان کی دریدہ ذہنی کا مقابلہ بےہودہ گوئی سے نہ کرو۔ خواص شامی نے اپنے وعظ میں اس قصہ کے ذیل میں فرمایا تھا کہ اس واقعہ میں تنبیہ ہے اس بات پر کہ نصیحت کرنے والا لوگوں کی زبان درازی برداشت کرے جو محض جہالت اور تہمت ہو گی۔ خود زبان نہ کھولے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ

غرض جب ناامید ہو گئے تو مشورہ کرنے کے لئے الگ ہو بیٹھے بڑا بولا کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ نے تم سے خدا

toobaafoundation.com

أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ

کا پختہ قول و قرار لے لیا تھا اور اس سے پہلے تم یوسف کے بارے میں قصور کر چکے ہو میں تو ہر گز اس ملک سے

الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۝ ارْجِعُوا

الگ نہ ٹلوں گا تاوقتیکہ میرے باپ مجھ کو اجازت نہ دیں یا خدا حکم نہ دیدے وہی بہترین حکم دینے والا ہے تم لوگ

إِلَىٰ أَبِيكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ

اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ اور ان سے کہو کہ ابا تمہارے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا تھا جس کی ہم کو خبر تھی غیب کی باتوں کے ہم

حَافِظِينَ ۝ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۝

نگراں نہ تھے جس بستی میں ہم تھے اس سے ، اور جس قافلہ میں ہم آئے ہیں اس سے پوچھ لو اور ہم بلاشبہ سچے ہیں

تفسیر

آیات کا مطلب صاف ہے ۔ چند امور تشریح طلب ہیں ۔

(۱) بڑے بھائی سے کون سا بھائی مراد ہے ؟ بیضاوی ، معالم اور اکثر تفسیر والوں نے روبیل مراد لیا ہے ۔ مفسر سراج نے کہا کہ شاید عقل میں بڑا مقصود ہو جو شمعون تھا ابن کثیر کے نزدیک یہی مراد ہے اسی نے قتلِ یوسف سے بھائیوں کو روکا تھا ۔

(۲) بڑے بھائی نے کہا میں تو یہاں سے ہٹ نہیں سکتا جب تک باپ اجازت نہ دیں یا اللہ مجھے حکم نہ دے ۔ اہلِ ظاہر نے اس سے استخراج کیا کہ یوسف کے بھائی پیغمبر تھے ورنہ براہ راست اللہ کے حکم دینے کے کیا معنی ؟ میرے نزدیک یہ غلط فہمی ہے ۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے بھائی نے کہا یا تو باپ اپنی طرف سے بغیر وحی کے مجھے اجازت دیں اور مجھے معذور سمجھیں یا اللہ ان پر وحی نازل فرمائے جس سے ہماری بے قصوری ثابت ہو ان دو باتوں کے بغیر میں یہاں سے نہیں جا سکتا ۔

(۳) بیضاوی نے اس موقع پر ایک روایت نقل کی ہے کہ برادرانِ یوسف نے جب بن یامین کی رہائی کے لئے اصرار کیا اور عزیز مصر نے کسی طرح نہ چھوڑا تو سب کو غصہ آیا ۔ غصہ کے مارے روبیل کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور بولا اے عزیز قسم ہے خدا کی یا تو ہمارے بھائی کو چھوڑ دے یا میں ایسی چیخ ماروں گا کہ حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے ۔ یوسف نے اپنے چھوٹے بچے کو حکم دیا کہ جا کر روبیل کو ہاتھ سے چھو دے ۔ بچے نے حکم کی تعمیل کی ۔ روبیل کا غصہ فوراً فرو ہو گیا کیونکہ اولادِ اسرائیل کا دستور ہی یہ تھا کہ جب کسی کو غصہ آتا اور نسلِ یعقوب کا کوئی فرد ان کو ہاتھ لگا دیتا تو غصہ زائل ہو جاتا ۔ روبیل بولا یہاں تخمِ یعقوب سے کوئی شخص ضرور ہے ۔ تفسیر سراج وغیرہ میں یہ روایت مفصل مذکور ہے ، مگر محض غلط اور اسرائیلیوں کی تصنیف کردہ ہے ۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے صاف فرما دیا تھا کہ یہودی بہتان تراش قوم ہے ۔ بات یہ تھی کہ بنی ہاشم میں پیدائشی اثر یہ چلا آرہا تھا کہ غصہ کے وقت اگر ان کے خاندان کا کوئی آدمی ان کی پشت پر ہاتھ لگا دیتا تو غصہ دور ہو جاتا تھا ۔ حضرت عباس کا یہ حال تو مشہور ہی ہے ۔ یہودیوں نے بنی ہاشم کی یہ حالت سن کر اپنے اسلاف کی طرف منسوب کر دیا ۔ جس طرح عیسائیوں نے جب مسیح کو ابن اللہ کہا تو ان کی ریس میں یہودیوں نے بھی عزیر کو خدا کا بیٹا قرار دے لیا ۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم

مقصودِ بیان

عقل مند اور ذی شعور مجرم کو تنہائی کے وقت اپنے قصور کا اعتراف ہوتا ہے جس طرح برادرانِ یوسف نے محلیہ کے وقت حضرت یوسف کے متعلق اپنے قصور کا اعتراف کیا آیت وَمَا شَهِدْنَا بتا رہی ہے کہ شہادت کی بنا علم

toobaafoundation.com

پر ہے۔ واقع کے مطابق یا غیر مطابق ہونے کا شہادت سے تعلق نہیں۔ کیونکہ غیب کا علم خدا کو ہے، مگر شہادت کے وقت اپنے علم کا اظہار کر دینا چاہیئے۔ کفالت کو شہادت کہنا صحیح ہے۔ اولاد یعقوب نے بن یامین کی ذمہ داری کی تھی اسی کو شہادت سے تعبیر کیا۔ کسی ہلالی واقعہ کے متعلق اہل کفر کو بھی شاہد بنانا صحیح ہے وغیرہ۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ عَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ

یعقوبؑ نے کہا، نہیں تمہارے دلوں نے یہ بات بنائی ہے خیر اب تو صبر ہی اچھا ہے اُمید ہے کہ اُن سب کو اللہ میرے پاس لے

جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ○ وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ

آئے گا وہی بلاشبہ واقف اور مصلحت بین ہے یعقوب نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا یوسف پر افسوس ہے

وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ○ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتَأُ تَذْكُرُ يُوسُفَ

اور رنج کے مارے (روتے روتے) اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور اُن کا دل گھٹنے لگا بیٹے بولے بخدا تم سدا یوسف کی یاد کرتے رہو گے

حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ○ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي

یہاں تک کہ بیمار پڑ جاؤ گے یا مر جاؤ گے یعقوب نے کہا میں اپنے رنج و غم کا شکوہ اللہ ہی سے

إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

کرتا ہوں اور وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

تفسیر بڑے بھائی کو چھوڑ کر باقی نو بھائی کنعان کو گئے اور حضرت یعقوب کو واقعہ کی اطلاع دی۔ باپ نے (بہ تفسیر بیضاوی) جواب دیا تم غلط کہتے ہو۔ بات صرف یہ ہے کہ یہ تمہاری کارستانی ہے کہ قانونِ مصر کے خلاف شریعت ابراہیم کا فتویٰ دے کر بن یامین کو گرفتار کرایا۔ اگر تم ایسی بات نہ کہتے تو ہرگز بن یامین گرفتار نہ ہوتا۔ خیر اب تو صبر کرنا ہی مناسب ہے اور صبر جمیل ہی میرے لئے بہتر ہے۔ اُمید ہے کہ عنقریب ان (تینوں) کو اللہ مجھ سے ملائے گا۔ یہ الفاظ آپ نے بنورِ الٰہی مکاشفہ کے ذریعہ فرمائے تھے۔ پھر فرمایا اللہ ہی کو پورا علم ہے کہ واقعہ کیا ہوا اور وہی اپنی مصلحتوں سے واقف ہے۔ یعنی وہی واقف ہے کہ اس سرگزشت میں کیا اسرار ہیں۔ اس کے بعد لڑکوں کی طرف زیادہ التفات نہ کی اور خلق سے منہ موڑ کر خالق کی طرف توجہ کر کے کہا آہ یوسف۔ بس آہ کے سوا کوئی اور لفظ زبان سے نہ نکلا۔ دم گھوٹتے رہے مخلوق سے کوئی شکایت نہ کی۔ رنج کو اندر ہی اندر پی جاتے (اتنا دم گھوٹتے) ہاں اتنی بات ضرور ہو گئی کہ (روتے روتے) غم کے مارے آنکھیں سفید پڑ گئیں۔ بروایت مقاتل چھ سال تک نابینا رہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آنکھوں کا نور کم ہو گیا تھا۔ شاید طبقہ عینیہ یا ثقبۃ النور میں پانی اُتر آیا ہو۔

باپ کی آہ و بکا کی کثرت دیکھ کر فقط بیٹوں نے یا بیٹوں اور پوتوں نے کہا آپ تو یوسف کو اتنا یاد کرتے ہیں کہ کسی وقت یوسف کی یاد جاتی ہی نہیں۔ اگر یہی حال رہا تو آپ ادھ مرے ہو جائیں گے یا مر ہی جائیں تو بعید نہیں۔ حضرت یعقوب نے فرمایا لڑکو میں تم سے کچھ نہیں کہتا اپنی پریشانی اور رنج صرف اللہ سے شکوہ کرتا ہوں۔ مجھے بعلم نبوت معاملاتِ الٰہی کا جو علم ہے اس سے تم ناواقف ہو۔ یعنی تم اپنے فعل پر میرے فعل

toobaafoundation.com

کو قیاس مت کرو۔ میں اللہ کی رحمت و حکمت سے جتنا واقف ہوں تم اتنے واقف نہیں۔ میرا رونا بھی حکمت پر مبنی ہے نبی کے دل میں جو نورِ فراست چمکتا ہے وہ عام مؤمنوں کے قلبی نور سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔

مقصودِ بیان

مصیبت کے وقت مسلمان پر لازم ہے کہ دنیا سے مُنہ موڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے جس طرح حضرت یعقوب نے کیا۔ زیادہ ہائے ہوا اور واویلا کرنا آدابِ ایمان کے خلاف ہے۔ اگر اضطراری آہ نکل جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اپنی مصیبت اور کوفت کو در بدر بیان کرتے پھرنا اہلِ تقویٰ کا کام نہیں۔ بلکہ مومن پر لازم ہے کہ جو کچھ شکوہ شکایت کرنا ہو وہ اپنے رب سے کرے۔ نبی کو علمِ الٰہی ہوتا ہے وہ عام لوگوں کو نہیں ہوتا۔ درد اور دکھ کے وقت اضطراری رونا جائز ہے وغیرہ۔

مسئلہ گریہ کی تحقیق

کم فہم حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت یعقوب باوجود نبی ہونے کے بیٹے کے فراق میں روئے اور ایسے روئے کہ آنکھیں بے نور ہو گئیں۔ یہ امر خلافِ شانِ نبوت ہے اور شریعتِ اسلامیہ میں بھی ناجائز ہے۔ اس مسئلہ کو ذرا تحقیق سے بیان کرتا ہوں۔ آیات، احادیث اور اقوالِ صحابہ و علماء سے ثابت ہے کہ کفار چونکہ آخرت کے قائل نہیں، اس لئے مصیبت پڑنے پر وہ بدحواس ہو جاتے ہیں۔ قلب میں صبر کی صلاحیت زائل ہو جاتی ہے۔ انتہائی اضطراب اور بے چینی سے جزع فزع کرتے ہیں۔ چونکہ ایسی بدحواسی دلالت کرتی ہے کہ یہ شخص ارادۂ الٰہی پر قائم نہیں بلکہ مرضیٔ مولا کا منکر ہے، اس لئے اس قسم کا جزع فزع کرنا قطعاً حرام ہے خواہ کوئی روئے یا نہ روئے آنکھوں سے آنسو نکلیں یا نہ نکلیں۔ اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ نوحہ کرنا جاہلیت کی رسم ہے۔ جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں باہم مل کر یا تنہا تنہا گریبان پھاڑتیں، مُنہ اور بال نوچتیں، پچھاڑیں کھاتیں اور مجالسِ نوحہ منعقد کرتیں۔ بین کرنے والی کچھ پیشہ ور عورتیں مقرر تھیں۔ جو لوگ دولت مند تھے وہ اپنی میت پر زور دار نوحہ کرانے کے لئے ان عورتوں کو مدعو کرتے اور جتنی رقم ان کو ملتی وہ اسی کے موافق بین کرتی تھیں۔ ایسا نوحہ بالکل حرام ہے۔ رہا رقتِ قلب کے تحت آنسو بہنا سکون کے ساتھ رونا تو یہ جائز ہے۔ حضور کے صاحبزادے ابراہیم کا انتقال ہوا تو سرکار کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا ابن عوف یہ نرم دلی ہے دل غمگین ہوتا ہے اور آنکھ میں آنسو بھر آتے ہیں اور ہم صرف وہی بات کہتے ہیں جس سے ہمارا رب خوش ہو۔ اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے بے شک غمگین ہیں (مسلم و بخاری) جب حضرت زینب کی صاحبزادی کا وقتِ وفات آیا تو انھوں نے حضورؐ کو بلایا۔ دو مرتبہ کے بلانے پر آپ تشریف لے گئے۔ صاحبزادی اس وقت دم توڑ رہی تھیں۔ حضور رونے لگے۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ روتے ہیں؟ فرمایا میرا رونا شفقت کا ہے (بخاری) حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ کاشانۂ نبوت میں کسی کا انتقال ہوا۔ عورتوں نے رونا شروع کیا۔ حضرت عمرؓ نے ان کو جھڑکا اور منع کیا۔ حضورؐ نے فرمایا عمرؓ ان کو رہنے دو۔ دل کو صدمہ پہنچا ہے آنکھ آنسو بھر لاتی ہے اور زمانہ قریب ہے (نسائی) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ عثمان بن مظعون کی میت کو حضورؐ نے بوسہ دیا اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے تھے (ترمذی و ابو داؤد) حضورِ گرامیؐ کا وقتِ وفات آیا تو سیدہ زہرہ نے کہا وَاکَرْبَ اَبَتَاہُ۔ ہائے میرے باپ کی تکلیف۔ حضورؐ نے فرمایا لختِ جگر آج کے بعد تیرے باپ پر کبھی کرب نہ ہوگا۔ جب حضورؐ پردہ پوش ہو گئے تو جناب سیدہ روئیں اور فرمایا۔ یَا اَبَتَاہُ اَجَابَ رَبًّا دَعَاہُ یَا اَبَتَاہُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَاوَاہُ یَا اَبَتَاہُ اِلٰی جِبْرِیْلَ نَنْعَاہُ۔ جب حضورؐ کو سپردِ خاک کر دیا تو سیدہ پاک نے فرمایا انس تم لوگوں کے دل نے کیسے گوارہ کیا کہ تم نے حضورؐ پر مٹی ڈال دی۔ یہ تو جوازِ گریہ کی احادیث ذکر کی گئیں۔ اب ذرا اس نوحہ کے متعلق بھی ارشاداتِ نبوی دیکھئے جس کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اُم المومنین حضرت اُم سلمہؓ کے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے ارادہ کیا کہ ایسا اپٹینا ڈالوں گی جو یادگار رہے ایک عورت بھی آپ کی شریک ہونے کو آئی۔ اتنے میں حضور والا تشریف فرما ہوئے اور فرمایا کیا تو چاہتی ہے کہ جس گھر سے اللہ نے شیطان کو نکالا (یعنی اسلام آنے سے کفر بھاگا ہے) پھر اسی گھر میں شیطان کو داخل کرے۔ ام المومنینؓ یہ سُن کر باز رہیں (مسلم) حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب حضرت جعفر بن ابی طالب اور زید بن حارثہ اور ابن رواحہ کی شہادت کی خبر آئی تو حضورؐ مسجد میں بیٹھے تھے اور آپ پر حزن و ملال ظاہر تھا۔ اتنے میں کسی شخص نے جعفر کی عورتوں کا رونا بیان کیا۔ حضورؐ نے منع کرایا اس نے دوبارہ آکر بیان کیا آپ نے پھر منع فرمایا۔ تیسری بار آکر پھر کہا وہ نہیں مانتیں۔ فرمایا۔

toobaafoundation.com

ان کے مُنہ میں خاک بھر دے (رواح اصحاب الصحاح) حضرت عمرؓ کی وفات کے قریب صہیبؓ روتے آئے اور کہنے لگے میرے بھائی سردار بھائی۔ حضرت عمرؓ نے اسی حالت میں فرمایا صہیبؓ مجھ پر روتے ہو؟ حضورؐ نے تو فرمایا تھا کہ پسماندوں کے رونے سے میت پر عذاب ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری احادیث میں بھی میت پر رونے کی ممانعت وارد ہے، مگر اس سے مراد وہی نوحہ ہے جس کی رسم جاہلیت میں تھی۔ یعنی جزع فزع کرنا، کپڑے پھاڑنا، مُنہ پیٹنا، بال نوچنا اور پچھاڑیں کھانا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا گریہ محض رقتِ قلب اور اندرونی حزن کے ماتحت تھا نوحہ نہ تھا۔ آیت وَهُوَ كَظِيمٌ صاف بتا رہی ہے کہ آپ رنج کو گھونٹے رہتے اس کے علاوہ کوئی چیز بھی منہ سے نہ نکالتے۔ فقط آنکھوں سے آنسو بہاتے اور اپنی مصیبت دفع ہونے کی اللہ سے دعا کرتے۔ دل میں نا اُمیدی کو آنے نہ دیتے۔ کافروں کی طرح رحمتِ الٰہی سے مایوس نہ ہوتے بلکہ بیٹوں سے بھی آپ نے فرمایا تھا مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم عطا ہوا ہے جس سے تم واقف نہیں ہو۔ مجھے یوں ہی رہنے دو میں خدا کی رحمت سے مایوس نہیں ہوں۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ

بیٹو! جاؤ یوسف کی اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو

اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

اللہ کی رحمت سے وہی لوگ نا اُمید ہوتے ہیں جو کافر ہیں

تفسیر اے بیٹو جاؤ اور اس کے بھائی کی تلاش ذرا ہوشیاری اور بیداری احساس سے کرو۔ اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہونا۔ نا اُمیدی ایمان کا شیوہ نہیں۔ محض کافروں کی خصلت ہے۔ ان آیات میں سابقہ آیت کا بیان ہے۔ پہلے مجمل طور پر اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فرمایا تھا۔ یہاں اس کی کسی قدر تفصیل کر دی مگر راز سے مکمل آگاہ پھر بھی نہ کیا کیونکہ یہ علم الٰہی میں خیانت تھی، اسرارِ قدرت کی پردہ دری تھی، اللہ کے کارخانے میں دخل تھا۔ در پردہ حکم دے دیا کہ اب تک تمہارے حواس پر پردہ پڑا تھا۔ ذرا اس پردہ کو ہٹاؤ اور یوسف کو پہچانو۔ اس کے ساتھ بن یامین بھی ہے۔ گویا فی الجملہ آپ نے تعیین کر دی کہ کہیں اور جگہ جانے کی ضرورت نہیں ہے مصر ہی کو جاؤ اور بن یامین کے پاس جاؤ۔ جہاں بن یامین ملے گا وہیں یوسف بھی ملے گا۔ بڑے بیٹے کو تلاش کرنے کا حکم نہ دیا کیونکہ وہ اپنی مرضی سے مصر میں ٹھہرا تھا اور معمول اذن کے پانے کے بعد آسکتا تھا۔ اللہ اکبر قدرتِ الٰہی بھی عجیب ہے اس کے سربستہ رازوں کو کون سمجھتا ہے۔ اگر کسی کو کچھ اطلاع ہو بھی جاتی ہے تو مجال نہیں کہ دم مار سکے اور کسی طرح اس کو ظاہر کر سکے۔ حضرت یعقوبؑ نے چاہِ کنعان میں یوسف کی تلاش نہ کرائی۔ زلیخا کے محل میں نہ کرائی۔ مصر کے جیل خانے میں نہ کرائی۔ کیونکہ اس وقت تک اجازت نہ تھی۔ اب وقت آیا حکمتِ الٰہیہ کا اقتضاء ہوا تو تختِ شاہی پر یوسف کو ڈھونڈا جاتا ہے اور کس تدبیر سے تلاش کی جاتی ہے کہ جنہوں نے یوسف کو کھویا تھا مشیتِ الٰہی کے خلاف اپنی برتری اور بہتری کی تدبیر کی تھی انہیں سے یوسف کی تلاش کرائی جاتی ہے اور گم کرنے والوں کو ڈھونڈنے پر مامور کیا جاتا ہے۔

مقصودِ بیان آیات دلالت کر رہی ہیں کہ حضرت یعقوبؑ کو یوسف کی زندگی کا اور مصر میں موجود ہونے کا پورا علم تھا، مگر آپ صراحۃً ظاہر نہیں فرماتے تھے بلکہ در پردہ ایماء و اشارہ کے طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ یوسف کی جستجو کرو۔ امید ہے کہ اللہ سب کو ملا دے گا گویا ان آیات سے اس طرف اشارہ ہے کہ واقعاتِ اسرار اظہار کے مجاز نہیں۔ جب اور جس قدر اذن الٰہی ہوتا ہے اسی وقت اور اسی قدر اظہار کرتے ہیں۔ حکمتِ الٰہی کا پردہ فاش نہیں کرتے۔ در پردہ امت مسلمہ کو ہدایت ہے کہ تم میں سے جو کوئی صفاتِ غیبیہ سے واقف ہو جائے تو جب تک اس کا اظہار نہ کرے۔ یہ آداب عرفان کے خلاف ہے۔ آیت میں صاف حکم دیا گیا ہے کہ رحمتِ الٰہیہ سے کسی وقت مایوس

toobaafoundation.com

نہ ہونا چاہیئے۔ اگرچہ کامیابی کا ظاہری سبب کوئی بھی نہ ہو، مگر مسبب الاسباب پر نظر رکھنی لازم ہے وہ اسباب پیدا کر سکتا ہے۔ آخر میں اس کی بھی صراحت ہے کہ کافر ہی رحمتِ الٰہیہ سے مایوس ہوتے ہیں یعنی ان کا اعتقاد چونکہ اللہ کی غیبی طاقت پر نہیں ہوتا ان کی نظر ظاہری اسباب پر منحصر ہوتی ہے، اس لئے جہاں ظاہری اسباب کا فقدان ہوا اور ان پر مایوسی چھائی وغیرہ۔ آیت میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام کارخانۂ قدرت اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ظاہری ذرائع محض ہیں۔ مؤثر فقط قدرتِ باری ہے۔ اس کی رحمت پر سب کچھ موقوف ہے۔ اس سے ان فرقوں کے عقیدے کی بھی تردید ہوتی ہے جو انسان کو مختارِ مطلق مانتے ہیں اور خلاقِ اسباب آدمی کو قرار دیتے ہیں۔ گویا ان کو رحمتِ الٰہیہ کا یقین نہیں اور نہ قدرتِ خداوندی پر ان کا ایمان ہے وغیرہ۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ

غرض جب یہ یوسف کے پاس پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر بڑی سختی ہے ہم ناقص پونجی

مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ○

لائے ہیں آپ ہم کو پوری بھرتی دیدیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے اللہ خیرات کرنے والوں کو جزا دیتا ہے

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ○ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ

یوسف نے کہا کیا تم واقف ہو کہ تم نے یوسف اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم ناداں تھے بھائی بولے کیا واقع

لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ

میں آپ ہی یوسف ہیں؟ یوسف نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا جو شخص

مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ○ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ

ڈرتا اور صبر کرتا ہے تو اللہ نیکوں کا اجر برباد نہیں کرتا بھائیوں نے کہا خدا کی قسم بلاشبہ

اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ○ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ

تم کو اللہ نے ہمارے اوپر برتری عطا کی ہے اور بلاشبہ ہم ہی خطا وار تھے یوسف نے کہا آج تم پر کوئی الزام نہیں خدا تم

اللّٰهُ لَكُمْ ؗ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ

کو معاف کرے وہی بہت مہربان ہے میرے اس کرتہ کو لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر جا کر ڈال دو

ع اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ع

تاکہ وہ بینا ہو جائیں اور میرے پاس سب گھر والوں کو لے آؤ

toobaafoundation.com

تفسیر

باپ کے حکم کے مطابق بیٹے مصر کو گئے۔ اس مرتبہ غلہ لانا مقصود نہ تھا بلکہ یوسف کی تلاش اصل غرض تھی۔ مادۂ حسن ازل ہو چکا تھا۔ کارخانۂ قدرت کے سربستہ راز کے انکشاف کا وقت قریب آ گیا تھا۔ مگر پھر بھی عالم اسباب پر نظر کرتے ہوئے تحصیل معاش کا بہانہ کیا اور اپنے حقیر سرمایہ کو لے کر عزیز مصر کے دربار میں پہنچے اور انتہائی عاجزی کے ساتھ اپنے اہل و عیال کے فقر و فاقہ کا اظہار کیا (بقول ابن اسحاق) یوسف کے آنسو بھر آئے ضبط نہ ہو سکا۔ اذن الٰہی بھی ہو چکا تھا۔ آپ نے حقیقت ظاہر کر دی اور فرمایا یاد کرو تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا لیکن اس وقت تم لوگ نادان تھے۔ تم نے نادانی سے ایسی ناشائستہ حرکات کا ارتکاب کیا۔ آخری فقرہ فرما کر حضرت یوسف نے بھائیوں کو زیادہ شرمندہ کرنا نہ چاہا بلکہ ان کے زمانۂ جہالت کے ذکر کر کے ایک عذر بیان کر دیا کہ تم نے جو کچھ کیا نادانی سے کیا پھر بھائیوں کے استفسار کا ایجاباً بھی جواب دیتے ہوئے اپنی حکومت، عزت اور برتری کی اصل وجہ یعنی الہام الٰہی کو بھی ظاہر کر دیا اور یہ انعام جس بنا پر ہوا اس کو بھی بیان کر دیا کہ جو شخص ممنوعات الٰہیہ سے پرہیز رکھتا ہے اور اوامر خداوندی پر کاربند رہتا ہے اللہ اس کو خالص نیکوکاروں کے زمرہ میں داخل فرما لیتا ہے اور نیکوکاروں کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی، یہی قانون قدرت ہے برادران یوسف اپنی غلطی پر نادم تو پہلے ہی تھے، مگر کھلم کھلا اقرار کا موقع نہیں آیا تھا۔ یوسف کی تقریر سن کر اور ان کی عظمت دیکھ کر اب یوسف کی فضیلت اور اپنے قصور کا اعتراف کیا اور یہ ظاہر ہے کہ اعتراف کے بعد بلند حوصلہ ہستیاں انتقامی کارروائی نہیں کرتی ہیں۔ حضرت یوسف نے بھی فطری اور وہبی علو ہمت سے کام لے کر سب کو معاف کر دیا، لیکن آداب نبوت کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی طرف سے مغفرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ مغفرتِ الٰہی کی دعا کی۔ بات یہ تھی کہ بھائیوں کے قصور میں تین ہستیوں کا تعلق تھا۔ ۱۔ خود حضرت یوسف کا ۲۔ اللہ کی نافرمانی کا ۳۔ باپ کو دھوکہ دینے کا۔ حضرت یوسف نے اپنا حق تو لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کہہ کر معاف کر دیا اور اللہ کے حق کی معافی کی دعا مانگی، لیکن بصیغۂ مضارع تاکہ والد کا ادب باقی رہے اور وہ کامل طور پر دعائے مغفرت کریں۔ اس کے بعد آپ نے اپنا قمیص دے کر باپ کے پاس جانے اور ان کے چہرہ پر ڈالنے اور سب متعلقین کو ساتھ لانے کی بھائیوں کو ہدایت کی اور یہ فرما دیا کہ والد کے چہرے پر قمیص ڈالو گے تو ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی۔

مقصود بیان

آیت وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا دلالت کر رہی ہے کہ حضرت یعقوب کے بیٹوں پر مال صدقہ حرام نہ تھا بلکہ سفیان بن عیینہ نے تو اسی آیت سے یہ مسئلہ استخراج کیا ہے کہ سوائے ہمارے آقائے محترم کے کسی نبی پر صدقہ حرام نہ تھا۔ برادران یوسف نے اپنی عاجزی تنگدستی اور محتاجی کو ظاہر کر کے عزیز مصر کے دل میں جذبۂ رحم کو ابھارنا چاہا تھا اور اسی تدبیر سے وہ اپنی غرض کی جستجو کرنی چاہتے تھے کہ اگر عزیز کو رحم آ گیا تو باپ کی ہدایت کے بموجب اپنا مدعا ظاہر کریں گے ورنہ چپ رہیں گے۔ اس بات سے اس طرف اشارہ ہے کہ اپنی حاجت کے لئے جائز طور پر حیلہ کرنا شرعاً ناجائز نہیں ہے۔

آیت قَدْ مَنَّ اللّٰهُ الخ سبق دے رہی ہے کہ مسلمان کو خدا تعالیٰ جو برتری، فضیلت، اور نعمت عطا فرماتے اس کو محض انعام الٰہی سمجھے۔ اپنی کوشش اور قابلیت کا نتیجہ نہ جانے۔ آیت مَنْ يَتَّقِ الخ بتا رہی ہے کہ انعام الٰہی کے مستحق فرماں بردار بندے ہوتے ہیں۔ جو لوگ نیکوکار ہوتے ہیں اللہ ان کو سرفراز فرماتا ہے۔ حضرت یوسف کا قول لَا تَثْرِيبَ الخ دلالت کر رہا ہے کہ بلند ہمت شخص کو اقتدار حاصل ہونے پر انتقام نہ لینا چاہیے بلکہ درگذر کرنی چاہیئے اور معاف کر دینا چاہیئے۔ کمزور سے بدلہ لینا علو ہمت کے منافی ہے وغیرہ۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَن تُفَنِّدُونِ ۝

اور جب قافلہ جدا ہوا تو ان کے باپ نے (لوگوں سے) کہا اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا بڈھا نہ کہو تو (بتاؤں) کہ مجھے یوسف کی بو آ رہی ہے

قَالُوا تَاللّٰهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ۝ فَلَمَّا أَن جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ

وہ کہنے لگے خدا کی قسم آپ تو اپنی پرانی غلطی میں ہیں پھر جب خوشخبری دینے والا آ گیا تو اس نے باپ کے چہرے پر کرتہ ڈال دیا

toobaafoundation.com

فَارْتَدَّ بَصِيرًا ۚ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

اور وہ بینا ہو گئے اور بولے کیوں میں نے تم سے نہیں کہا تھا مجھے اللہ کی طرف سے وہ علم ہے جو تم کو نہیں ہے

قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ○ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ

بیٹوں نے کہا ابا ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے بلاشبہ ہم قصوروار ہیں یعقوب نے کہا میں تمہارے لئے اپنے رب سے

رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ○

دعائے مغفرت کروں گا وہی غفور رحیم ہے

تفسیر غرض جب برادران یوسف کا قافلہ پیراہن یوسف کو لے کر مصر چلا تو کچھ ہی دور چلنے پایا تھا کہ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہوئی۔ ابن کثیر نے بقول ابن عباس بیان کیا ہے کہ جب قافلہ شہر سے چلا تو ہوا چلی اور اس نے قمیص یوسفؑ کی خوشبو حضرت یعقوبؑ کو پہنچائی۔ پس آپ نے آٹھ روز کی مسافت سے خوشبو کا احساس کر لیا۔ حسن اور ابن جریج کا قول ہے کہ درمیان میں اسّی فرسنگ کا فاصلہ تھا۔ حضرت یعقوبؑ نے پوتوں سے فرمایا مجھے پیراہن یوسف کی خوشبو آرہی ہے، مگر تم اس کو حواس کی خرابی سے بے وقوفی اور نادانی سے تعبیر کرو گے۔ پوتوں نے جواب دیا آپ تو اپنی پرانی غلطی پر قائم ہیں۔ یوسف کہاں اور اس کی خوشبو کہاں۔ ابن عباسؓ نے اس جگہ ضلال کا ترجمہ خطا اور غلطی کیا ہے اور یہی درست ہے۔ کچھ مدت کے بعد جب خوشخبری دینے والا (بقول مجاہد و سدی) یہودا آیا اور باپ کے چہرہ پر پیراہن ڈالا تو معجزہ یوسفی سے باپ کی آنکھیں اصلی حالت میں ہو گئیں۔ بیضاوی نے زمخشری کے اتباع میں حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہونے کی یہ تاویل تحریر کی ہے کہ فرط خوشی سے بدنی قوت میں جوش پیدا ہو گیا جس سے بینائی درست ہو گئی، مگر یہ تاویل بعید از عقل ہے۔ فرقۂ معتزلہ جس کا امام زمخشری ہے حضرت یعقوبؑ کی بینائی زائل ہونے کا قائل ہی نہیں ہے اور آنکھوں کے سفید ہو جانے کے معنی گرفت گریہ کو قرار دیتا ہے۔ اسی لئے بینا ہونے کی بھی اس نے ایسی تاویل کی جو طب اور شرع دونوں کے خلاف ہے۔ بیضاوی نے اس کا اتباع کیا۔ صحیح صرف یہ بات ہے کہ یہ یوسفؑ کا معجزہ تھا جس کی اطلاع آپ نے قبل از روانگی دے دی تھی۔ غرض آنکھیں روشن ہونے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے فرمایا کیوں میں تمہیں کہتا تھا کہ اللہ کی طرف سے جو علم مجھے عطا ہوا ہے اس سے تم واقف نہیں۔ سچ ہے خاصان خدا کا الہام اور کشف غلط نہیں ہوتا۔ شیخ سعدی نے لکھا ہے کہ کسی نے حضرت یعقوبؑ سے پوچھا کہ آپ نے مصر سے تو یوسف کے پیراہن سونگھ لی۔ کنعان کے کنوئیں میں کیوں نہ دیکھ لیا۔ فرمایا ہم لوگوں کا حال بجلی کی چمک کی طرح ہے جب چمکی دیکھ لیا نہ چمکی نہ دیکھا۔ جب سب بیٹے باپ کے پاس پہنچ گئے تو اپنے قصور کی معافی کے طالب ہوئے اور یہ بھی عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے خدا سے دعائے مغفرت کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ قبعی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے اس وقت دعائے مغفرت بالکل نہ کی کیونکہ ان کو معلوم نہ تھا کہ یوسفؑ نے ان کو معاف کر دیا ہے یا نہیں اور حق یوسفؑ کا تھا بلکہ دعا کا وعدہ کر لیا۔ بیضاوی نے بھی اس کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ اس امر کی تائید ایک روایت سے ہوتی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصر پہنچنے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے قبلہ رو کھڑے ہو کر دعائے مغفرت کی اور ان کے پیچھے یوسفؑ نے آمین کہی اور یوسفؑ کے پیچھے دسوں بھائی نہایت عاجزی کے ساتھ لرزتے، کپکپاتے کھڑے رہے اور بالآخر جبرئیل نے قبول دعا کی بشارت دی۔ ابن مسعود، ابراہیم نخعی، عمرو بن قیس اور ابن جریج وغیرہم کا قول ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے سحر کے وقت دعائے مغفرت کرنے کا وعدہ کیا، لیکن معالم و سراج و ابن عباس کا قول مروی ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے دعا کرنے میں شب جمعہ تک تاخیر کی۔ ممکن ہے یہ واقعہ پنج شنبہ کا ہو دوسرے روز سحر کے وقت حضرت یعقوبؑ نے دعائے مغفرت کی ہو۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان جن کے باطنی حواس تیز ہوتے ہیں ان کو محبوب کی خوشبو کا احساس دور سے ہوتا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے پیراہن یوسف کی بو دور سے پالی تھی۔ حقیقت شناس آدمی کو ظاہر پرست طبقہ مجنون اور بے وقوف سمجھتا ہے۔ اس کے قول کو دیوانے کی بڑ جانتا ہے، مگر واقع میں وہ خود پاگل ہوتا ہے۔ حقیقت اس کی نظروں کے سامنے نہیں ہوتی۔ پیراہن یوسفؑ سے حضرت یعقوبؑ کی آنکھیں روشن ہوگئی تھیں۔

جو لوگ آداب قرب سے واقف ہیں وہ کسی کے لئے دعائے مغفرت بھی بغیر حصول اجازت کے لئے اور بد دن موقع نہیں کرتے۔ انبیاء کا علم اپنے زمانے کے لوگوں سے زائد ہوتا ہے، لیکن کل علم ہوتا ہے خداداد وغیرہ۔

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ اٰوٰىٓ اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ

غرض جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں داخل ہو امن کے ساتھ اگر اللہ کی

اٰمِنِيْنَ ۝ؕ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ

مشیت ہو یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو اٹھا کر تخت پر بٹھا لیا اور سب اس کے سامنے سجدہ میں گر گئے یوسف نے کہا ابا یہ میرے

رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ

پہلے خواب کی تعبیر ہے میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا اس نے میرے ساتھ احسان کیا کہ مجھے قید سے

السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ

نکالا اور تم سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان

اِخْوَتِيْ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝

جھگڑا ڈالا میرا رب جو کچھ چاہتا ہے تدبیر سے کرتا ہے وہی خبردار و مصلحت بین ہے

تفسیر معالم، سراج اور بیضاوی میں لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے کل خاندان کی سواری اور ان کا سامان اٹھانے کے لئے سو اونٹنیاں معہ ساز و سامان کے روانہ کی تھیں۔ انھیں اونٹنیوں پر سوار ہوکر حضرت یعقوبؑ تمام خاندان سمیت مصر پہنچے۔ شہر کے باہر حضرت یوسفؑ نے استقبال اور قیام کا بندوبست کر دیا تھا۔ بقول ابن کثیر بادشاہ بھی کثیر جماعت امراء کے ساتھ استقبال کو آیا تھا۔ سیوطی نے تحبیر میں اور قرطبی وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی عمر اس وقت ۱۳۰ سال کی تھی۔ شہر کے باہر حضرت یوسفؑ والدین سے ملے اور سب کو شہر میں داخل ہونے کی دعوت دی۔ اس وقت حضرت یعقوبؑ کے ساتھ یوسفؑ کی حقیقی والدہ تھیں یا خالہ جن کو محاورہ عرب کے موافق والدہ کہا گیا۔ معالم و سراج میں ابن عباس کا قول اور تفسیر ابن کثیر میں سدی اور عبدالرحمن بن زید کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی خالہ لیّا تھیں۔ بیضاوی نے اس قول کی تضعیف کی ہے اور لکھا ہے کہ لیا کا انتقال تو راحیل کے نکاح سے پہلے ہو چکا تھا۔ ابن کثیر نے بقول ابن اسحاق و ابن جریر لکھا ہے کہ اس وقت یوسفؑ کے ماں باپ دونوں زندہ تھے۔ ابن جریر کا قول ہے کہ کوئی قابل اعتماد دلیل نہیں پائی جاتی اس بات کی کہ یوسفؑ کی والدہ مر چکی تھیں۔
حضرت یعقوبؑ جس وقت مصر پہنچے تو آپ کے کنبہ کی تعداد ستر یا بہتر اور بقول مسروق تہتر تھی اور عاشورہ کے دن داخل ہوئے تھے۔

toobaafoundation.com

سجدہ سے حقیقی سجدہ مراد ہے یا صرف جھکنا۔ اس کی تفصیل ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ اگر حقیقی سجدہ ہی مراد ہو تب یہ معنی ہوں گے کہ یوسفؑ کے والدین اور بھائی یوسفؑ کی عزت وعظمت کو دیکھ کر سربسجود ہوگئے اور بارگاہِ الٰہی میں نسلِ اسرائیلی کے اعزاز کا شکریہ ادا کیا گویا مسجود خدا تھا اور یوسف کا اعزاز سبب سجدہ۔ اس کے بعد یوسفؑ نے اللہ کے احسانوں کا تذکرہ کیا اور خدا تعالیٰ کی حمد وثنا کی۔

مقصودِ بیان والدین کی تعظیم لازم ہے۔ حضرت یوسف نے بھی باوجود اس قدر عظمت شان کے والدین کی تعظیم کی۔ آیت اُدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ بتا رہی ہے کہ کامیابی، عزت عافیت وغیرہ کا کتنا ہی یقین ہو، مگر انشاء اللہ کہنا اور پیش آنے والے واقعہ کو مشیت الٰہی کے سپرد کرنا لازم ہے۔ اونچا بٹھانا بھی اعزاز کی ایک قسم ہے۔ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ خاندان کے کسی فرد کی عزت وحکومت سے پورے خاندان کی عزت بڑھتی ہے جس کا شکریہ واجب ہے اور شکر کی انتہائی شکل سجدہ ہے۔ آیت وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْ تعلیم دے رہی ہے کہ آدمی کتنا ہی عالی قدر اور خود مختار حکمراں ہو جائے اور حصول عزت میں اس نے کیسی ہی قابلیت اور کوشش صرف کی ہو، مگر اس کو انعامِ الٰہی سمجھے اور اپنی کوشش کا نتیجہ نہ جانے۔ دیہات سے نکل کر کسی متمدن شہر میں عزت کے ساتھ رہنا بھی انعامِ الٰہی ہے خصوصاً کنعان سے نکل کر مصر پہنچنا اور وہاں حکومت پر فائز ہونا تو نعمتِ غیر مترقبہ تھی کیونکہ بابل کی عظمت تباہ ہو چکی تھی۔ مصر بابل سے ٹوٹ کر خود مختار سلطنت ہو گئی تھی۔ ایسی سلطنت کا حصول تو بعید از امید تھا۔ آیت مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الخ دلالت کر رہی ہے کہ بھائیوں کو خواہ وہ علاتی ہوں محبت والفت سے رہنا چاہیئے۔ بھائیوں کی باہمی عداوت شیطانی حرکت ہے۔ آخری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور ایسی باریک وور رس تدبیر کرتا ہے جس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں ہوتا وغیرہ۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

اے میرے رب تو نے مجھے بادشاہت عطا کی اور خوابوں کی تعبیر دینی سکھائی اے آسمان وزمین کے پیدا

وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

کرنے والے تو دنیا ودین میں میرا کارساز ہے مجھے اسلام کی حالت میں ہی موت دیجو اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیجو

تفسیر جب خدا تعالیٰ نے یوسف کو پوری نعمتوں سے سرفراز فرمایا تو ایک روز تخلیہ کے وقت ماں باپ اور بھائیوں سے انعاماتِ الٰہی کا تذکرہ کیا اور آخر میں روئے سخن مخلوق سے ہٹا کر خالق کی طرف کر کے دعا کی جس میں اول ان مادی اور روحانی نعمتوں کو بیان کیا جو اللہ نے ان کو دی تھیں۔ پھر خدا کی صفتِ عالیہ کو ظاہر کر کے اپنے نیک انجام کی خواہش کی۔

لفظ مِنَ الْمُلْكِ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ شاید یوسفؑ خود مختار بادشاہ ہو گئے تھے۔ مگر یہ غلط ہے۔ ملک سے مراد ہے حکومت اور چونکہ وزیر اعظم تھے اسی لئے حکومت حاصل تھی۔

احادیث سے مراد خوابیں ہیں جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے یا کلام الٰہی ہے جو اس وقت تک صحیفوں کی شکل میں حضرت ابراہیم وغیرہ پر نازل ہو چکا تھا۔

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا کے تفسیری معنی میں علماء کا بڑا اختلاف ہے۔ بعض لوگ اس کو دعائے موت قرار دیتے ہیں اور اپنے قول کے ثبوت میں اقوال وآثار پیش کرتے ہیں جن کا تذکرہ ہم ابتدائے سورت میں کر آئے ہیں، مگر ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے مرنے کی دعا نہ کی تھی بلکہ اس دعا سے آپ کا مقصود محض وقت وفا کا اسلام تھا۔ گویا تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا کے معنی ہوئے پروردگار! تو مرنے کے وقت مجھے مسلمان رکھنا۔

toobaafoundation.com

مقصود بیان حضرت یوسف کی یہ دعا بتا رہی ہے کہ دنیا کی نعمتیں کتنی ہی عظیم الشان ہوں۔ یہاں تک کہ سلطنت مل جائے، مگر آخرت کی نعمت کے بغیر ناکارہ اور ہیچ ہیں۔ اسی لئے اہل عرفان دنیا و دین دونوں کی بہتری کی دعا کرتے ہیں اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہیں۔ اس دعا کے آخری الفاظ دلالت کر رہے ہیں کہ زمرۂ صالحین میں داخل ہونا سب سے بڑی نعمت ہے۔ آیات کی ترتیب سے ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ دعا کرتے وقت مسلمان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے ان احسانوں کا تذکرہ کرے جو اللہ نے اس پر مبذول فرمائے ہیں۔ پھر اللہ کے عمومی صفاتِ کمال کو ذکر کرے پھر اللہ کو اپنا کارساز جانتے ہوئے اپنے کل امور اس کے سپرد کر دے اور آخر میں اصل مدعا کو ظاہر کرے۔ احادیث اور اقوال صحابہ میں بھی یہی تعلیم دی گئی ہے وغیرہ۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ

(اے محمد) غیب کی یہ چند خبریں بذریعہ وحی ہم تم کو بتا رہے ہیں جب انھوں نے اپنے مشورہ کو پختہ کر لیا تھا اور فریب کر رہے تھے تو تم اس وقت

يَمْكُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ

وہاں موجود نہ تھے لیکن اکثر لوگ ماننے والے نہیں خواہ تم (کتنی ہی) حرص کرو تم اُن سے کوئی

عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ ع ۱۱

مزدوری بھی نہیں مانگتے ہو یہ تو سارے جہان کے لئے ایک نصیحت ہے

تفسیر حضرت یوسف اور ان کے بھائیوں کا قصہ ختم کرنے کے بعد قصہ کی اصل غرض بیان فرماتا ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ ہم نے جو پیغمبروں کا قصہ ان کی طرز زندگی آزمائش کے وقت ثابت قدم رہنا اور عروج و ترقی کے وقت شکر کرنا اور اللہ کی یاد کرنا اور رنج و راحت میں نفس کا تزکیہ کرنا وغیرہ بیان کیا۔ یہ غیب کی خبر ہے۔ ہزاروں برس پہلے کا واقعہ ہے عرب میں عام طور پر لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ جس زمانے کا قصہ ہے اس زمانے میں تم بھی موجود نہ تھے، لیکن ہم نے تمہارے پاس وحی بھیجی اور کل واقعہ کی اطلاع دی۔ یہ بات قرآن کی حقانیت اور تمہاری رسالت کی صداقت کی دلیل ہے، مگر اس کے باوجود اکثر لوگ تمہاری تصدیق نہ کریں گے۔ تم کتنی بھی کوشش کرو، انتہائی شفقت سے کام لو، لیکن وہ ایمان لانے والے ہی نہیں۔ تاہم تمہارا فرض ادا ہو جائے گا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بعض لوگ آگ جلاتے ہیں۔ پتنگے پروانے آگ میں گرنے لگتے ہیں وہ شخص ہر چند ہٹاتا اور دفع کرتا ہے، مگر کیڑے زبردستی گرتے ہیں۔ یہی حال میرا ہے۔ میں تمہاری کمر پکڑ کر تم کو دوزخ میں گرنے سے روکتا ہوں، مگر تم نہیں مانتے اس میں گرے پڑتے ہو۔

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی دشمن کسی قوم پر شب خون مارنے کے ارادے سے چڑھائی کرتا اور اس قوم میں سے کسی کو قبل از وقت اطلاع مل جاتی تو وہ برہنہ ہو کر قوم میں گشت کرتا اور چلاتا اور دشمن کے آنے کی اطلاع دیتا۔ لوگ آگاہ ہو کر راتوں رات بندوبست کر لیتے۔ اس شخص کو نذیر کہا جاتا تھا۔ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کسی نذیر نے کسی قوم کو دشمن کے حملہ کرنے کی اطلاع دی، کچھ لوگوں نے اس کے قول کو سچ جانا اور اپنے کو بچا لیا وہ عافیت میں رہے۔ بعض نے اس کی تکذیب کی ان پر دشمن نے اچانک حملہ کر دیا تو وہ ذلت و ہلاکت میں پڑے۔ یوں ہی میں بھی تمہارے لئے نذیر عریاں ہوں۔ میں تم کو آگاہ کرتا ہوں کہ تمہارے سامنے عذاب شدید ہے۔ بچو، بچو۔ اسی طرح بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول پاکؐ کو انتہائی حرص تھی کہ کسی طرح لوگ مسلمان ہو جائیں اور مذاہب باطلہ سے نجات پائیں۔ اسی حرص کی طرف آیت وَلَوْ حَرَصْتَ الخ

toobaafoundation.com

میں ارشاد کیا گیا ہے۔

اس سے آگے حضورؐ کی صداقت و حقانیت کی دوسری دلیل بیان فرماتا ہے کہ اے نبی تم ہدایت و رہنمائی کا کوئی معاوضہ ان سے طلب نہیں کرتے۔ نہ عزت نہ حکومت نہ مال نہ کوئی اور ذاتی فائدہ جو کچھ کہتے ہو انھیں کے فائدے کے لئے کہتے ہو۔ عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے یہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ اس میں تمام دنیا کی ہدایت کے لئے قوانین نصیحت موجود ہیں اور منوا بطہ شائستگی درج ہیں۔ پھر انتہائی صداقت ہے کہ ایسی صورت میں بھی تمہاری نصیحت کی یہ لوگ قدر نہیں کرتے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ اپنے پاس ایک پائی بھی نہ رکھتے تھے۔ جس قدر مال و دولت محاصل زمین خراج عشر اور زکوٰۃ وغیرہ کی رقمیں وصول ہو کر آتی تھیں، آپ ایک ایک پائی تقسیم کر دیتے تھے۔ آپ نے کبھی دونوں وقت تہائی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ سونے کے لئے کبھی آرام دہ نرم بستر اختیار نہیں کیا، رہنے کے لئے کبھی شاندار مکان نہ بنایا۔ بادشاہ یا امیر کا لقب کبھی اپنے لئے پسند نہیں کیا۔ بڑھیا لباس کبھی زیب تن نہیں فرمایا۔ خادموں، نقیبوں اور چوب داروں کے پرے اپنے پاس نہ رکھے۔ شاہانہ دربار کبھی نہ سجایا۔ ان تمام امور کو پیش نظر رکھ کر ذرا غور کرنا چاہیئے کہ پھر حضورؐ کی کون سی دنیوی غرض تھی کہ لوگوں کو حلقہ بگوش اسلام بنا کر آپ حاصل کرنی چاہتے تھے۔ وہ کون سا معاوضہ تھا جس کو آپ لینا چاہتے تھے سوائے اس کے کہ لوگوں کو نصیحت کرتے تھے اور انھیں کے فائدے کے لئے کرتے تھے یہی مطلب ہے وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ الخ کا اور یہی معنی ہیں اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ کے۔

مقصود بیان اہل بصیرت کی ہدایت کے لئے رسول اللہ کی تصدیق و حقانیت کے دلائل کا بیان۔ اس امر کی صراحت کہ حضور اقدسؐ کو لوگوں کے مسلمان ہونے کی انتہائی خوشی تھی بلکہ یہ خواہش حرص کے درجہ تک پہنچ گئی تھی، مگر یہ خواہش نفسانی اغراض کے تحت نہ تھی۔ صرف اُمت کے فائدے کے لئے تھی۔ اس امر پر نص کہ دنیا میں کافروں کی کثرت اکثر رہے گی۔ اس بات کا بلند آہنگی سے اعلان کہ قرآن پاک کل دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہیں۔ گویا رسول پاکؐ کی بعثت تمام دنیا کے لئے ہے۔ خواہ گورے ہوں یا کالے حجازی ہوں یا عجمی وغیرہ۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ○

زمین و آسمان میں بہتیرے نشانہائے قدرت ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں مگر ان کی طرف سے منہ پھیرے گزرتے ہیں

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ○ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ

ان میں سے اکثر اللہ کو نہیں مانتے اور مانتے بھی ہیں تو شریک قرار دیتے ہوئے کیا یہ لوگ اس بات سے بےخوف ہیں کہ اللہ کے

مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ○

عذاب کی ان پر کوئی آفت آپڑے گی یا اچانک ان پر قیامت آجائے گی اور ان کو خبر بھی نہ ہوگی

تفسیر اوپر کی آیات میں رسول پاکؐ کی صداقت کی دو دلیلیں بیان کی تھیں۔ گزشتہ واقعات کی اطلاع دینا بغیر کسی کے سکھائے پڑھائے ہوئے اور بغیر طلب معاوضہ کے تبلیغ و ہدایت کرنا۔ اب یہاں تیسری دلیل بیان کرتا ہے۔ جس سے توحید رسالت اور پیام رسولؐ کی صداقت ظاہر ہوتی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ عام لوگ عجیب کور بصیرت واقع ہوئے ہیں۔ مضمون قرآن پر وہ غور نہیں کرتے۔ رسول کے طریقۂ تبلیغ اور غرض ہدایت پر وہ توجہ نہیں کرتے اور آیات قدرت کا وہ مطالعہ نہیں کرتے۔ آسمانوں اور زمینوں میں قدرت کی غیر متعدد نشانیاں ہیں۔ آسمان کے ہر ستارے سے، سمندر کے ہر قطرے سے، ریگستان کے ہر ذرے سے، پہاڑوں کے ہر پتھر سے اور درختوں کے ہر پتے سے اللہ کی ربوبیت و الوہیت ٹپک رہی

toobaafoundation.com

ہے ، مگر وہ غفلت کی حالت میں ہر چیز کی طرف سے گزر جاتے ہیں اور خاموش آوازِ قدرت کو کان دھر کے نہیں سنتے ۔ اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہیں تو اس طریقہ سے جو شرک آمیز ہے ۔ دعویٰ کرتے ہیں ایمان کا اور عقیدہ رکھتے ہیں شرک کا ۔ ابن کثیر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے جس کو بخاری نے صحیح میں تعلیقاً اور رزین نے مسنداً روایت کیا ہے کہ جب کافروں سے پوچھا جاتا ہے کہ تم کو کس نے پیدا کیا ہے اور آسمان و زمین کا کون خالق ہے تو جواب دیتے ہیں کہ سب کا خالق اللہ ہے ۔ پس یہ تو ان کا ایمان ہے ، لیکن وہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے علاوہ اوروں کی ۔ پس یہ ان کا شرک ہے ۔ مجاہد ، عکرمہ ، عطا ، شعبی ، قتادہ اور عبدالرحمٰن بن زید کا یہی خیال ہے ، لیکن ابن عباس کے مذکورہ قول سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ آیت وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ کا نزول فقط قریش کے حق میں ہوا تھا ۔ تخصیص کی کوئی وجہ نہیں بلکہ اس زمانہ میں جو لوگ بھی ایسے تھے ، اللہ کو خالق جاننے کے باوجود غیر اللہ کو برتر سمجھتے تھے ۔ سب آیت کے ذیل میں آتے ہیں خواہ مشرکین عرب ہوں جو بت پرستی کرتے تھے یا صابئی ہوں جو ستارہ پرست تھے یا مجوسی ہوں جو آتش پرست تھے یا یہودی ہوں جو عزیر کو ابن اللہ اور اپنے علماء و مشائخ کو حاکم مطلق یقین کرتے تھے یا عیسائی ہوں جو مسیح کو خدا کا بیٹا جانتے تھے ۔ آیت کا مورد کوئی خاص نہیں اور خاص ہو بھی تب بھی حکم عام ہے ۔ ہر شرک آمیز ایمان رکھنے والا آیت کے ذیل میں داخل ہے ۔ یہاں تک کہ رسول پاک کے زمانے سے قیامت تک جو شخص بھی صفاتِ الٰہیہ کا وجود کسی غیر میں ثابت کرے گا یا کرتا تھا یا کرتا ہے اور تصرفات خداوندی کا مالک دوسروں کو جانتا ہے وہ مومن مشرک ہے ۔ مومن اور ایمان آمیز شرک یا شرک آمیز ایمان کسی طور پر قابلِ قبول نہیں لہٰذا نہ لائقِ اعتبار ہے ۔ ایمان کے ساتھ شرک جمع نہیں ہو سکتا ۔ صحیحین میں ایک اور روایت آئی ہے کہ مشرکین عرب خانہ کعبہ کا جس وقت طواف کرتے تو وقتِ طواف یہ الفاظ کہتے ۔ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ إِلَّا شَرِيكًا هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ ۔ یعنی بدل و جان ہم تیری عبادت میں حاضر ہیں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں سوائے صرف وہی تیرا شریک ہے جو خود تیرا ہے تو اس کا مالک ہے وہ تیرا مالک نہیں ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ جب کفار لَا شَرِيكَ لَكَ کہتے تو حضور والا اُس سے اگلے الفاظ ادا کرنے سے روکتے اور فرماتے بس بس ۔ یعنی اس سے آگے کچھ نہ کہو ۔ یہ قصہ بھی موردِ نزول نہیں ، مگر حکم آیت اس کو بھی شامل ہے ۔ بعض علماء اس کے بھی قائل ہیں کہ یہ آیت منافقوں کے حق میں نازل ہوئی ، مگر صحیح وہی ہے جو ہم نے اوپر لکھ دیا کہ مورد خاص نہیں اور اگر کوئی مخصوص واقعہ سبب نزول ہو بھی تب بھی حکم عام ہے ۔

ترتیب : دلائل توحید و براہین صدقِ رسول بیان کرنے کے بعد آگے وعید و ترہیب کے طور پر فرمایا کہ کیا ان مشرکوں کو اس بات کا خوف نہیں کہ ان پر اچانک اللہ کی طرف سے کوئی عذاب آسکتا ہے (اللہ کے سوا ان کے لیے جو وہ معبود ہیں اس کو دفع نہیں کر سکتے) یا موت کا وقت آجائے اور ان کو اس کی کسی علامت سے پیشتر احساس بھی نہ ہو (اس وقت یہ کیا کر سکتے ہیں اور کس طرح عذابِ الٰہی سے بچ سکتے ہیں)

مقصودِ بیان

آیاتِ قدرت پر گہری نظر ڈالنے اور ان سے معرفتِ الٰہی حاصل کرنے کی لطیف تعلیم ۔ شرک آمیز توحید کے ناقابلِ اعتبار ہونے کی فی الجملہ صراحت ۔ موجودہ زمانے کے ان مسلمانوں کے لیے خصوصیت کے ساتھ درسِ عبرت جو پیروں فقیروں کی نذر نیاز کرتے ، مزاراتِ اولیاء سے مرادیں مانگتے ، گنڈے تعویذ کرتے اور مختلف اقسام کے شگون کے قائل ہیں اور اس کے واسطے سیکڑوں طرح کے حیلے تراشتے ہیں ۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر کسی فعل یا عقیدہ میں شرک خفی کی بو بھی آتی ہو تو اس سے گریز کریں تاکہ کہیں ان کی توحید شرک آمیز نہ ہو جائے اور پھر تمام کیا کرایا برباد ہو جائے اور وہ اپنے خیال میں اپنے کو مومن دین دار سمجھ بیٹھے رہیں ۔ آخری آیات میں اشارہ ہے کہ عذابِ الٰہی آنے کا کوئی خاص وقت مقرر نہیں نہ موت کا کوئی مخصوص زمانہ ہے ۔

قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي ۖ وَ

تم کہہ دو کہ یہ میرا راستہ ہے	میں اور جو میرے تابع ہیں	اللہ کی طرف	سمجھ بوجھ کر	بلاتے ہیں	اور

toobaafoundation.com

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ

اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (اے محمد) تم سے پہلے ہم نے آدمی ہی

اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ

بھیجے تھے ہم ان کے پاس وحی بھیجتے تھے اور وہ بستیوں کے رہنے والے تھے کیا یہ ملک میں چل پھر کر نہیں

فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

دیکھتے کہ ان سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا اور بیشک دارِ آخرت

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ○

پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے کیا یہ لوگ سمجھتے نہیں

تفسیر جب ایمان کی مدلل ترغیب اور وعید آمیز دعوت کا بیان ہو چکا تو اب واضح الفاظ میں تبلیغ کا حکم دیا۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اے نبی تم صاف طور پر کہہ دو کہ خالص توحید کا اقرار اور شرک سے بیزاری، یہی میری راہِ زندگی ہے، یہی میری سنت ہے۔ اللہ کی ذات پر ایمان لانے کی ہی میں دعوت دیتا ہوں۔ میں بھی اسی عقیدہ و عمل پر قائم ہوں اور میرے پیرو بھی اسی طریقہ پر قائم ہیں۔ پھر ہماری یہ راہِ زندگی اور دعوتِ توحید و ایمان بلا سوچے اندھا دھند نہیں بلکہ خوب سوچ سمجھ کر دلائل و براہین کی روشنی میں ہم نے اس کو اختیار کیا اور دانش و بصیرت کے ساتھ ہی دوسروں کو اس راہ پر چلنے کو بلاتے ہیں۔ ہم اللہ کو تمام عیوب و نقائص سے پاک اور ہر قسم کے جلی و خفی شرک سے منزہ جانتے ہیں اور کسی طرح ہم مشرکوں کے گروہ میں سے ہونا بھی پسند نہیں کرتے۔

یہاں تک توحید کی تبلیغ تھی اس سے آگے کفار کے وہمی شبہات کا جواب ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی رسالت پر کافروں کو شبہ تھا بلکہ عمومی نبوت کو شتبہ نظروں سے دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اللہ کا پیغامبر آدمی ہو یہ کس طرح ہو سکتا ہے، خدا کا پیغام آدمی کے پاس کس طرح آسکتا ہے۔ آدمی آدمی ہے خدا خدا ہے۔ دونوں میں یوں بعید ہے۔ خدا تعالیٰ اس کا جواب دیتا ہے کہ ذرا چل پھر کر دیکھو اس سے پہلے بھی ہم نے آدمیوں کو ہی پیغامبر بنایا تھا۔ یعنی فرشتہ اور جن کو آدمیوں کی ہدایت کے لئے پیغامبر بنا کر نہیں بھیجا تھا۔ آدمیوں کے ہی پاس ہم وحی بھیجتے چلے آئے ہیں۔ وہ آدمی بھی انھیں بستیوں کے رہنے والے تھے۔ کسی اجنبی نوع کے افراد نہ تھے نہ انسانیتِ عامہ سے کوئی جداگانہ شکل رکھتے تھے۔ پھر ان کے مخالف بھی ہوئے اور موافق بھی۔ کچھ لوگوں نے ان کی ہدایت کے موافق عمل کیا، شرک اور معاصی کو ترک کیا اور ممنوعات سے گریز کیا۔ کچھ لوگوں نے سرکشی کی۔ نافرمانوں کا انجام کیا ہوا؟ اس کو ذرا چل پھر کر (علاقۂ شام و عراق میں) دیکھو خود ان کا نتیجہ نظروں کے سامنے آجائے گا۔ مرنے میں تو اچھے بُرے فرماں بردار اور نافرمان سب شریک تھے، مگر انجام اچھا انھیں لوگوں کا ہوا جو نیکوکار تھے۔ بعض علماء نے اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ سے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ جنات میں کوئی نبی نہیں گزرا۔ میرے نزدیک یہ استنباط غلط ہے۔ آیت کا سیاق و سباق نیز مفہوم بتا رہا ہے کہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے آدمیوں کو ہی پیغامبر بنا کر بھیجا یعنی جن وغیرہ کو نہیں بھیجا، لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ جنات کی ہدایت کے لئے بھی کسی جن کو نبی بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ جنات بھی عذاب و ثواب کے اسی طرح مکلف ہیں جیسے انسان۔ تخلیقِ جن و انس دونوں کی غرض عرفان و عبادت ہے۔ اور یہ متفق علیہ ہے کہ علاوہ ہمارے آقائے کریم ﷺ کے کسی اور آدمی کو اللہ نے جنات کی ہدایت کا حکم نہیں دیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جنات

toobaafoundation.com

میں بھی انبیاء گزرے ہیں۔ ورنہ ان کے مقابلے میں اللہ کی طرف سے اتمامِ حجت نہ ہوگا۔ ہاں لفظِ رجالاً سے اس بات پر استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کسی عورت کو شرعی نبی بنا کر خدا نے نہیں بھیجا۔

مقصودِ بیان

لفظ بصیرت دلالت کر رہا ہے کہ اسلام کے تمام اصول اور شریعت کے تمام منصوص ضوابط عقلِ انسانی کے مطابق ہیں۔ قرآن کا کوئی جزئیہ خلافِ بصیرت نہیں۔ گویا عقلِ سلیم کا استخراج اور قرآنی منصوصات ایک ہی ہیں، لیکن عقل کا وہم سے پاک ہونا مشکل ہے اور سلامتِ فکر کا کوئی معیار نہیں، اس لئے یہ کسی طرح جائز نہیں کہ جو حکم اپنی سمجھ میں نہ آئے اس کو خلافِ عقل قرار دے کر ترک کر دیا جائے۔

آیت میں علمائے اسلام کے لئے ایک خاص سبق ہے کہ تبلیغِ اسلام دلائل کی روشنی میں کرو۔ راہِ حق کی طرف برہان کے ساتھ دعوت دو۔ پھر اسی آیت سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ اسلام کی اشاعت قوت و تلوار سے نہیں ہوئی نہ اس کی اجازت ہے۔ بلکہ بصیرت اور اصول کی روشنی میں ہوئی۔ ہاں بے وقوفوں کی وحشت بُرد سے تحفظ تلوار کے ذریعہ سے ہوا۔ اس امر پر بھی آیت سے روشنی پڑتی ہے کہ عالمانِ دین کے لئے تبلیغ اسلام لازم ہے۔ آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا الخ بتا رہی ہے کہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے خدا نے آدمیوں کو ہی پیغامبر بنا کر بھیجا نہ فرشتہ کو پیغام رسانی پر مامور کیا نہ جن کو نہ کسی قلبی مخلوق کو۔ کوئی عورت بھی نبی نہیں ہوئی پھر بادیہ نشین اور سنگ دل خانہ بدوش صحرائی بھی پیغمبر نہیں ہوئے۔ بلکہ بستیوں کے رہنے والے مہذب اور شائستہ انسان نبی ہوئے۔

نوٹ: قَرْیَۃٌ کا لفظ جب مدینہ کے مقابل استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے مراد گاؤں ہوتا ہے اور جب اسی لفظ کو بادیۃ کے مقابل استعمال کرتے ہیں تو اس سے مراد عام بستی ہوتی ہے خواہ بڑی ہو یا چھوٹی۔ گویا صحرا نشین خانہ بدوش اقوام کے خلاف قریہ کے ساکن شمار کئے جاتے ہیں۔

اس آیت میں مؤخر الذکر صورت سے استعمال کیا گیا ہے۔ اوّل الذکر استعمال قرآن میں نہیں ہے وغیرہ۔

حَتّٰٓى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ

یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہو گئے اور لوگوں نے گمان کیا کہ ہم سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا تو ان کو ہماری مدد آ پہنچی اور جس شخص کو ہم

مَنْ نَّشَآءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ

نے چاہا بچا لیا اور ہمارا عذاب مجرموں سے نہیں پھیرا جاتا

تفسیر

یہ آیات سابقہ آیت سے مربوط ہیں۔ بلاغت کا لحاظ کرتے ہوئے کچھ عبارت محذوف ہے۔ پورا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ہدایتِ انبیاء پر چلے اور ایمان کے ساتھ تقویٰ اختیار کیا ان کو تو دنیوی و اخروی فلاح حاصل ہوئی اور جو سرکش ایمان نہ لائے اور فوری عذاب بھی ان پر نہ نازل ہوا اور برابر کفر پر جمے رہے۔ ان کی حالت یہ ہوئی کہ انبیاء نے انتہائی تبلیغ کی۔ خدا کے احکام پہنچائے۔ نافرمانی و فرماں پذیری کے نتائج دکھلائے، مگر سرکش طبقہ سرکشی سے باز نہ آیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ پیغمبروں کو ان کے ایمان کی طرف سے ناامیدی ہو گئی اور پیغمبروں نے یقین کر لیا کہ اب یہ ہماری رسالت کی تصدیق نہ کریں گے۔ اس وقت اللہ کی مدد اور غضب کا دریا جوش میں آیا۔ غیب سے انبیاء کی مدد کی گئی۔ جن لوگوں کا بچانا مقصود تھا ان کو بچا لیا گیا اور باقی گروہ کو غضب کے عذاب میں تباہ کر دیا گیا۔

بیضاوی اور بعض دیگر مفسرین نے بعض تابعین کی روایت کی بنا پر آیات کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کافروں کو عذابِ الٰہی سے بچے رہنے پر مغرور نہ ہونا چاہیئے۔ ذرا غور و عبرت کی نظر سے دیکھیں کہ گزشتہ اقوام کو بھی مہلت دی گئی تھی یہاں تک کہ رسول ناامید ہو گئے کہ شاید ان کافروں پر ہم کو کامیابی عطا نہ کی جائے گی۔ کیونکہ باوجود شدتِ کفر اور ایذاء انبیاء کے وہ لوگ اسی طرح نازِ نعمت و ثروت میں تھے۔ بلکہ دولت مندی کا مزید دروازہ ان پر

toobaafoundation.com

کھول دیا گیا تھا الخ۔

میرے نزدیک جن روایات کی بنا پر یہ مطلب بیان کیا گیا ہے اُن کی صحت میں ہی اہلِ تحقیق کو تامل ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر۔ پھر سمجھ دار آدمی ویسے بھی اس مطلب کو صحیح نہیں مان سکتا کیونکہ اس سے انبیاء کے ایمان کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ معمولی مومن کے لئے یاس و ناامیدی کفر ہے پھر طبقۂ انبیاء کس طرح مایوس ہو سکتا تھا۔ ذاتِ الٰہی سے ناامیدی تو شیوۂ اہلِ ایمان نہیں۔ وعدۂ الٰہی جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ ہاں کفار کی طرف سے مایوسی ہو سکتی ہے۔ جب انتہا کو پہنچ جائیں اور کافروں کی ظاہری حالت دیکھیں کہ کس طرح ان کے ایمان لانے کا ذرہ بھی نہ ہو سکے تو ایسے وقت ہر شخص کو ان کی حالت سدھرنے سے مایوسی ہوگی۔ انبیاء کی مایوسی بھی اسی طرح تھی۔ سینکڑوں ہزاروں برس تبلیغ کے بعد بھی جب قوم کی حالت اصلاح پذیر نہ ہوئی تو لامحالہ قوم کی طرف سے ان کو مایوسی ہونی چاہیئے تھی۔

مقصودِ بیان کافروں کو عذاب کی دھمکی۔ رسولِ پاک ﷺ کو امداد و نصرت کا ضمنی وعدہ۔ قانونِ قدرت کا بیان کہ ایمان دار طبقہ نجات پاتا ہے اور مشرک و منافق سے عذابِ الٰہی کو کوئی روک نہیں سکتا۔ مسلمانوں کو در پردہ تسلی کہ مصائب و تکالیف سے گھبرا کر تم کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ابھی وقت نہیں آیا۔ گزشتہ اہلِ ایمان نے اس سے زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں۔ جب وقت آئے گا تو نصرتِ الٰہی تمہارے شاملِ حال ہوگی اور کافروں کو برباد کر دیا جائے گا وغیرہ۔

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ۗ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن

عقل والوں کے لئے بلاشبہ اُن کے حالات میں عبرت ہے (یہ قرآن) بنائی بات تو ہے نہیں بلکہ اُن

۱۲ ع ۷ ۶ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ⓑ

کتابوں کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے تھیں اور ہر چیز کی تفصیل ہے اور ایمان دار لوگوں کے لئے ہدایت و رحمت ہے

تفسیر گزشتہ انبیاء نے جب اپنی قوموں کو توحید و اصلاحِ عمل کی تعلیم دی تو جن لوگوں نے ان کی ہدایت کو نہ مانا۔ ان کی دولت، ثروت اور خوشحالی میں چند روز کے لئے اگر اضافہ کر دیا گیا اور کچھ مدت مزید ڈھیل دے دی گئی، مگر انجام کار ان کا کل سرمایہ تباہ ہو گیا۔ ہستیاں برباد ہو گئیں نہایت حسرت کے ساتھ ان کا خاتمہ ہوا اور دوامی عذاب میں وہ مبتلا ہو گئے اور جن لوگوں نے انبیاء کی تعلیم کو مانا، خالص توحید کا اقرار کیا اور اصلاحِ عمل کی کوشش کی وہ بظاہر چند روز کے لئے تکلیف میں رہے۔ کافروں نے طرح طرح کی اذیتیں اُن کو پہنچائیں۔ یہاں تک کہ بالکل مقاطعہ کر کے رزق کا دروازہ اُن پر بند کر دیا تاکہ مجبور ہو کر وہ کفر کی طرف لوٹ آئیں مگر انھوں نے صبر کیا۔ آخر کار کافروں کی کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور چند روزہ تکلیف کے بعد ان کو دنیوی و اخروی عیش حاصل ہو گیا۔ یہ واقعات عبرت ہیں۔ نصیحت اندوزی اور بصیرت کوش دماغ والوں کے لئے ان کا نتیجہ ظاہر ہے کہ کفر و بد اعمالی کا نتیجہ بُرا اور ایمان و اصلاحِ عمل کا انجام اچھا ہے، مگر اہلِ شقاوت کے لئے ان واقعات کے اندر مزید گمراہی کا فتنہ پوشیدہ ہے۔ شیطان ان کے دل میں وسوسہ پیدا کرتا ہے کہ یہ تمام واقعات ہم کو ایمان کی ترغیب دینے کے لئے بیان کئے جاتے ہیں، ورنہ سب فرضی ہیں۔ حقیقت میں ایک واقعہ بھی صحیح نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرماتا ہے یہ فرضی اور مصنوعی واقعات نہیں۔ بیانِ قرآن دروغ نہیں، افترا نہیں۔ ذرا توریت اٹھا کر دیکھو اس میں تمام واقعات مفصل مذکور ہیں۔ قرآن مجید نے تو اس کی تصدیق کی ہے۔ انجیل بھی پڑھو خود معلوم ہو جائے گا کہ قرآن نے اسی کے مطابق بیان کیا ہے۔ عبرانی اور سریانی زبان کی کتابوں میں جن واقعات کو پہلے بیان کیا جا چکا ہے انھیں کو قرآن میں اب بیان کیا ہے، لیکن اس سے یہ شبہ ہرگز نہ کرنا چاہیئے کہ قرآن نے جب گزشتہ آسمانی کتب کے واقعات کی تصدیق کی تو اس کی ضرورت ہی کیا تھی وہی کتابیں کافی تھیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ قرآن فقط تصدیق کنندہ ہی نہیں بلکہ ضروریاتِ زمانہ کے لحاظ سے جن احکام کی ضرورت تھی ان کا

toobaafoundation.com

بیان بھی قرآن میں مفصّل ہے۔ حلال حرام، مکروہ، فرائض، واجبات، مستحبات غرض جن قواعد و ضوابط کی عملی زندگی میں ضرورت پڑتی ہے سب کو قرآن نے بیان کیا ہے، لیکن تر و خشک اور اچھے بُرے کو مخلوط نہیں کیا بلکہ حق و باطل اور خیر و شر کا امتیاز کر دیا۔ سیدھا راستہ بتا دیا، کج راہی سے بچنے کا حکم اور مفید و مضر میں فرق کر دیا۔ اب جو لوگ اس کو سچا مان کر اس کے اصول پر چلیں گے ان کے لئے قرآن رحمتِ مجسم ہے۔ ان کے ظاہری باطنی اخلاق کا تزکیہ ہو جائے گا۔ کامیابی و کامرانی کی راہیں ان کے سامنے کھل جائیں گی اور دین دنیا کی فلاح ان کو حاصل ہوگی۔ الغرض قرآن کے اندر چار خصوصی اوصاف ہیں۔ (۱) گزشتہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ اس کے آسمانی کتاب ہونے کی دلیل ہے۔ ایک بے پڑھا لکھا آدمی عربی میں صحیح صحیح واقعات وہ واقعات جو عبرانی اور سریانی زبانوں کی کتابوں میں مذکور ہیں بیان کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ وحی کے ذریعہ سے بیان کرتا ہے۔ ورنہ عرب کے ایک ایسے اُمّی کو جس کا اختلاط اہلِ کتاب سے بھی نہ رہا ہو کیا علم کہ توریت و انجیل میں واقعات کی تفصیل کیا ہے (۲) قرآن کے اندر اصلاحِ عقائد کے اصول اور عملی زندگی کو شائستہ بنانے کے کل قوانین و قواعد مفصل موجود ہیں۔ کافر و مومن ہر شخص ان سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ (۳) قرآن لوگوں کو ہدایت کی تعلیم دیتا ہے، سچائی کی تلقین کرتا ہے اور نیک بننے کی ترغیب دیتا ہے (۴) جو لوگ اس کو سچا جانتے ہیں ان کی دونوں جہان کی زندگیاں سُدھر جاتی ہیں۔ قرآن ان کے لئے رحمتِ مجسّم ہے۔

آغازِ سورت میں فرمایا تھا کہ یہ قرآن مبین کی آیات ہیں۔ اختتام پر مبین ہونے کی تفصیل فرما کر سورت کو ختم کیا ہے۔

مقصودِ بیان

قرآن کے الہامی ہونے کی صراحت۔ قرآن کے اوصافِ اربعہ کا بیان۔ اس بات کی وضاحت کہ ضابطۂ قرآن سراسر ہدایت اور رحمت ہیں، لیکن بصیرت رکھنے والے دماغ اور قلب کی ضرورت ہے۔ چشمۂ نور سے اُسی کو فائدہ پہنچتا ہے جس میں روشنی سے نفع اٹھانے کی قابلیت ہو۔ قرآن سے بھی وہی لوگ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں نورِ فطری ہو۔

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ رعد مکی ہے اس میں ۴۳ آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

سعید بن جبیر، حسن بصری، عکرمہ، عطار، جابر تابعی اور عبدالرحمٰن بن زید کے قول پر یہ سورت مکی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر، کلبی اور مقاتل کے نزدیک مدنی ہے۔ مفسر سیوطی نے لکھا ہے کہ اگر یہ سورت مکی ہو تو آیات وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الخ اور وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا الخ ضرور مدنی ہوں گی اور اگر سورت کو مدنی کہا جائے تو آیات ذیل کی ہوں گی۔ وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ ۲ دو آیت تک اور بقول بعض آیت هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ تا لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ بھی مدنی ہے۔

عام اہلِ تفسیر کے نزدیک پوری سورت میں ۴۳ آیات ہیں اور بیضاوی میں ایک قول کے بموجب ۴۵ کی بھی صراحت ہے۔ تفسیر سراج میں ہے کہ اس کے کلمات ۸۵۵ اور حروف

جابر بن زید کہتے ہیں کہ مرنے کے وقت سورۂ رعد پڑھنی بہتر ہے اس سے نزع کی سختی میں کمی اور موت کی تکلیف میں آسانی ہو جاتی ہے اور دنیا سے کوچ کرنے کا زیادہ افسوس نہیں ہوتا۔

toobaafoundation.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ

یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے مگر

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے

تفسیر مشرکین مکہ اور عام کفار کا خیال تھا کہ قرآن کلام الٰہی نہیں بلکہ حضور اقدس کا تراشیدۂ دماغ تھا۔ اس خیال کو قرآن پاک میں جا بجا خدا تعالیٰ نے دور فرمایا۔ یہاں بھی اسی کا ازالہ کیا گیا۔ مقاتل نے ان آیات کے نزول کا سبب یہی بیان کیا ہے۔

کتاب سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے اور اسی وجہ سے مطلب میں بھی اختلاف ہو گیا۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے اور وَالَّذِیْ سے جملہ مستقل علیحدہ ہے۔ یہ قول سیوطی کا بھی ہے اور اسی کو ابن عباس کا قول بھی بیان کیا جاتا ہے مطلب یہ ہے کہ سورۂ رعد میں جو آیات مذکور ہیں وہ قرآن مجید کی آیات ہیں یہ انسانی ساخت کی ممنون نہیں نہ جدید تراشیدہ ہیں۔ اس کے بعد فرمایا پروردگار کی طرف سے جو کچھ بھی تم پر اتارا گیا وہ سب حق ہے۔ دماغی اختراع کو اس میں دخل نہیں۔

مجاہد قتادہ کا قول ہے کہ کتاب سے مراد کتب سابقہ ہیں۔ ابن کثیر نے اسی کو پسند کیا ہے اور ظاہر لغوی کا بھی یہی مختار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ آیات بلاشبہ تورات وانجیل وقرآن تینوں آسمانی کتابیں ہیں اور سب باہم موافق ہیں۔ مضمون میں اختلاف نہیں۔

میرے نزدیک جمہور کا قول بہتر ہے۔ چونکہ اس سورت میں عموماً کفار کے عقائد کی تردید کی گئی ہے اور آثار ربوبیت دکھا کر الوہیت و توحید کو ثابت کیا ہے اور قطعی طور پر ماورائے ادراک اور بالائے طبیعت اشیاء کے متعلق فیصلہ کر دیا ہے۔ پھر دوطرح بیان میں اصلاح عمل کی تبلیغ اور ضوابطِ قدرت کا بیان بھی کیا ہے۔ اسی لئے کفار کو اپنے ہزاروں برس کے فرسودہ عقائد کی بیخ کنی دیکھتے ہوئے شبہ ہو سکتا تھا کہ محمدؐ کو ہماری قدیمی مسلمات کے ابطال کا کیا حق ہے؟ بنا بریں شروع ہی میں خدا تعالیٰ نے فرما دیا کہ سورۂ رعد کی آیات قرآن مجید کی آیات ہیں۔ اس کے بعد پھر بھی شبہ ہو سکتا تھا کہ اگر قرآن کی آیات ہیں تو کیا کمال ہے۔ قرآن کو ہمارے بزرگوں کی تحقیقات اور اعتقادیات کے مقابلے میں حقانیت کے اعلان کرنے کا کس طرح حق پیدا ہوا؟ تو فرمایا قرآن پورا قرآن اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے اور اللہ کی بھیجی ہوئی کتاب ضرور حق ہے۔ لہٰذا قرآن اور قرآن کی کل آیات حق ہیں، سچی ہیں، واقعی ہیں (تمہارے بزرگوں کے خود تراشیدہ عقائد غلط اور اختراعی مسلمات باطل ہیں) لیکن اس کے باوجود بہت سے آدمی قرآن کو حق نہیں مانتے اس کو کتابِ الٰہی نہیں جانتے۔ (اور اپنے موروثی بوسیدہ عقائد پر قائم ہیں) اہل ایمان کا گروہ بہت کم ہے۔

مقصود بیان ابن عباس سے منقول ہے کہ الٓمّٓرٰ میں الف سے اَنَا اور لام سے اللہ اور میم سے اَعْلَمُ اور را سے اَرٰی کی طرف اشارہ ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ میں اللہ ہوں جانتا ہوں اور دیکھتا ہوں یا یوں کہو کہ الف سے الوہیت لام سے اللہ میم سے محمدؐ اور را سے رسالت کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی الوہیت اللہ ہی کے لئے ہے اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔ اہل حق نے حروف مقطعہ سے دوسرے مضامین کی طرف بھی اشارہ مراد لیا ہے، مگر یہ سب علمی موشگافیاں ہیں۔ واللہ اعلم۔ ان مقطعات سے اصل مراد کیا ہے۔ آیاتِ مذکورہ میں قرآن کی حقانیت اور تعلیمات قرآن کی صداقت ظاہر فرمائی ہے اور کفار کے عقائد کا بر ہان ازالہ فرمایا ہے اور دونوں کی دلائل بیان فرمائی ہیں۔

toobaafoundation.com

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ

اللہ ہی ہے جس نے آسمان بغیر ستونوں کے اونچے بنائے تم دیکھتے ہی ہو پھر وہ عرش پر جلوہ فرما ہوا اور سورج و

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ

چاند کو کام میں لگا لیا ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے اور نشانہائے قدرت مفصل بیان کرتا

بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ

ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو اسی نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور نہریں بنائیں

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ

اور ہر میوے کی دو دو قسمیں نر و مادہ زمین میں پیدا کیں وہی رات کو دن سے چھپا لیتا ہے غور کرنے

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

والی قوم کے لئے ہیں نشانہائے قدرت ہیں اور زمین میں کچھ ٹکڑے باہم پاس پاس ہیں اور انگوروں کے

اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ

باغ ہیں اور کھیتی ہے اور کھجوروں کے درخت ہیں کچھ جڑ ملے ہوئے اور کچھ بغیر ملے ہوئے اور سب ایک ہی پانی سے سینچے جاتے ہیں اور ہم

بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝

مزے میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دیتے ہیں اس میں سمجھدار قوم کے لئے نشانہائے قدرت ہیں

تفسیر اوپر کی آیات میں قرآن کو الہامی کتاب فرما کر اس کی حقانیت کی صراحت کی تھی۔ ان آیات میں صاف ربوبیت و الوہیت کو مفصل بیان فرما کر اللہ کی توحید، عظمت اور قدرت کو ثابت فرماتا ہے کیونکہ نزولِ قرآن کے مقصد کی ایک شاخ اصلاح عقیدہ بھی ہے اور عقیدہ کی اصلاح اس وقت تک ناممکن ہے جب تک طبیعیات اور ماورائے طبیعیات کا متصرف حقیقی اور مالک صرف خدا کو نہ ثابت کیا جائے اور نہ مانا جائے۔ ہم خلاصۂ مطلب سے قبل آیات کا تجزیہ کر کے ہر ٹکڑے کی علیحدہ تحقیق کرتے ہیں۔

(۱) اللہ نے آسمانوں کو بغیر مرئی اور محسوس ستونوں کے بلند کیا۔ اہل کتاب کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان ستونوں پر قائم ہے لیکن ستون ہماری نظروں کے سامنے نہیں۔ ابن کثیر نے اس پہلے قول کو ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور حسن بصری وغیرہ کی طرف منسوب کر کے دونوں کو باہم ضم کر دیا۔ مفسر معالم نے بھی فی الجملہ اس کی تائید کی ہے۔ مگر واقع میں اہل کتاب کا یہ قول غلط کیا قابل توجہ بھی نہیں۔ انتہائی مضحکہ انگیز ہے۔ رہی مجاہد وغیرہ کی روایت تو اگر وہ صحیح بھی ہو تب بھی آسمانوں کا ستونوں پر ہونا اس سے ثابت نہیں کیونکہ ان جلیل القدر علماء کے قول کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کے قیام کے لئے کوئی مادی ستون نہیں یا تو قانون جذب کے تحت قائم ہیں یا اللہ کی غیبی طاقت نے کوئی اور سبب

بھی

toobaafoundation.com

ان کی بقا کا بنا دیا ہے۔ جو ہم کو آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ کوہ قاف پر آسمانوں کا ستون کھڑا ہے اور اس پر قیام السموات ہے۔

(۲) اللہ عرش پر مستوی ہے۔ اس کی تحقیق ہم سورۂ بقرہ میں کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ معتزلہ کے نزدیک استواء کے معنی غلبۂ قدرت اور تسلط و تدبیر کے ہیں یا متوجہ ہونے کے ہیں اور اہلِ سنت کے نزدیک استواء اپنے حقیقی معنی پر ہے اور اللہ کی پوشیدہ ناقابلِ فہم صفات میں سے ایک صفت یہ بھی ہے نہ تو وہ استواء مراد ہے جو عوارضِ جسم میں سے ہے اور جس کا فرقہ مجسمہ قائل ہے اور جس سے اللہ کا جسم ہونا لازم آتا ہے۔ نہ غلبہ تسلط مراد ہے بلکہ استوائے الٰہی کی کیفیت ہی جدا ہے جو ادراکِ مخلوق سے خارج ہے جس طرح دیگر صفاتِ الٰہیہ کا کما حقہ علم ناممکن ہے۔

(۳) چاند اور سورج سب فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں اور سب کی رفتار مقدارِ مقرر پر ہے۔ یعنی مقررہ رفتار سے نہ کوئی آگے بڑھتا ہے نہ پیچھے ہٹتا ہے۔ سورج چاند سے یا چاند سورج سے پہلے نہیں ہو سکتا۔ ہر ایک کی چال کے منازل اور درجات مقرر ہیں۔ قیامت تک اسی چال سے دونوں چلیں گے۔

(۴) اللہ امر کی تدبیر کرتا ہے یعنی امرِ عالم کی تدبیر فرماتا ہے۔ انتظامِ عالم کو عرش سے فرش تک درست رکھتا ہے یا اپنے امر کی تدبیر کرتا ہے جیسی حکمت پر نظام قائم ہے اسی کے مطابق عالم کو چلاتا ہے یا یہ مطلب کہ عالمِ امر یعنی عالمِ ارواح کی تدبیر کرتا ہے۔ اوپر کی آیات میں عظیم الشان مادی کائنات کی تخلیق کا ذکر تھا اور عالمِ اجسام کا وجود دستِ قدرت میں ظاہر کیا تھا۔ اس آیت میں عالمِ ارواح کی تخلیق و تدبیر کا کامل اختیار اپنے واسطے بیان فرمایا۔

(۵) اللہ صاف صاف نشانیاں بیان فرماتا ہے تاکہ ان کو دیکھ کر آدمیوں کو اللہ کے پاس جانے کا یقین ہو جائے یعنی عالمِ اجسام و عالمِ ارواح کی تخلیق اور پھر ان کا انتظام اور ایک قانون کے مطابق سب کی رفتار رہتا رہی ہے کہ ان سب کا موجد، قادر، مختار، منتظم ایک اللہ ہی ہے۔ اسی کے دستِ قدرت میں تمام جہان کی عنان تصرف ہے۔ وہ ہر چیز کو مقررہ زندگی دیتا ہے اور پھر اس سے یہ عارضی لباسِ حیات لے لیتا ہے اور پھر دوبارہ زندگی عطا کرتا ہے۔ ایسی صورت میں انسان کو دوبارہ زندہ کرنا اور اپنے سامنے بلانا کیا مشکل کام ہے۔

(۶) اللہ نے زمین بچھائی اس پر پہاڑوں کی میخیں قائم کیں اور دریا، ندی، نالے جاری کئے۔ مطلب یہ کہ اللہ نے زمین کو بچھایا۔ خواہ سطحی شکل میں یا کروی شکل میں۔ اگر زمین کی شکل سطحی مانی جائے تب توجہاتِ کشش میں یگانگت، ہمواری اور یکسانی نہ ہوگی۔ کسی جانب کشش زائد ہوگی کسی جانب کم اور اگر زمین کی شکل گول مانی جائے تو ہر طرف کشش ہر طرف یکساں ہوگی اور قوتِ کشش کے ماتحت زمین اپنی جگہ قائم رہے گی (خواہ ساکن ہو یا حرکت وضعی کرتی رہے۔ بہر حال اپنی جگہ قائم رہے گی) لیکن کرۂ زمین کی ذاتی حالت یکساں نہیں ہے کہیں خشکی زیادہ ہے کہیں پانی زیادہ ہے۔ کسی جگہ پانی اوپر چڑھ آیا ہے کہیں مٹی ابھر آئی ہے۔ پانی کی وجہ سے مسکونہ زمین کی اصلی شکل بدل گئی ہے۔ لامحالہ قوت و ضعف کے لحاظ سے کشش کی طاقت میں بھی اختلاف ہو جانا لازم ہے پھر زمین کا اپنی جگہ پر بقا کس طرح ممکن ہے۔ خدا تعالیٰ نے زمین کو پیدا کرنے اور بچھانے پھیلانے کے بعد حسب کی حالت کو درست رکھنے اور زمین کو اپنی جگہ برقرار رکھنے کے لئے مختلف اطراف میں اپنی حکمتِ بالغہ کے ماتحت پہاڑوں کی میخیں قائم کیں تاکہ زمین میں اضطرابی حرکت نہ پیدا ہو اور زمین پر زندہ رہنے والی مخلوق زندہ رہ سکے۔

(۷) اللہ نے طرح طرح کے پھل پیدا کئے اور ہر قسم کے پھل کو دو طرح کا بنایا یعنی کسی کو شیریں اور کسی کو ترش کسی کو سیاہ اور کسی کو سفید۔ کسی کو چھوٹا اور کسی کو بڑا بنایا پھر ہر نوع کے پھل کی دو صنفیں پیدا کیں نر اور مادہ۔ کھجور، اپیتہ، یوکلپٹس وغیرہ میں نر و مادہ ہونا تو ہر جاہل بھی جانتا ہے، لیکن تحقیقاتِ طبیعیات کے علمبردار خصوصیت سے واقف ہیں کہ عالم میں کوئی پھول اور کوئی پھل ایسا نہیں جس میں دونوں صنفیں نر و مادہ نہ پائی جاتی ہوں۔ موجودہ سائنس بھی اس کی تائید کرتی ہے۔ عالم میں کسی سبزہ اور کسی پھل کی پیداوار بغیر تلقیح کے نہیں ہو سکتی اور تلقیح کے لئے نر و مادہ دونوں کی ضرورت ہے۔

(۸) اللہ نے شب و روز کا سلسلہ قائم کیا۔ دن کی روشنی کو رات کی تاریکی سے وہی چھپاتا ہے یعنی تاریکی نام ہے روشنی نہ ہونے کا۔ آفتاب غروب ہوا روشنی معدوم ہو گئی۔ اندھیرا چھایا حرکت کی بجائے عالم پر سکون چھا گیا۔ وجود پر عدم طاری ہوا۔ ہستی کی جگہ نیستی نے لے لی اور بیدار کائنات خواب میں چلی گئی۔

toobaafoundation.com

(۹) یہ تمام تصرفات اور انتظامات اس لئے کئے تاکہ اہلِ بصیرت غور سے ان کا مطالعہ کریں۔ آیاتِ قدرت سے اللہ کی توحید الوہیت اور ربوبیت کا یقین کریں۔ عالم کے قانونِ توارث، قانونِ تغیر، قانونِ بقا اور قانونِ وجودِ عدم کو دیکھیں گہری نظر سے دیکھنے کے بعد غور کریں۔ غور کر کے ان تمام انتظامات کو اتفاقی اتصالی وانفعال کا نتیجہ نہ قرار دیں۔ بلکہ اس سے اللہ کی قدرت، صفت، اختیارِ علم، ارادۂ حکمت اور ہمہ گیری کو سمجھیں۔ اس کو خالق، موجد، علیم وبصیر اور وحدہٗ لاشریک جانیں۔

(۱۰) زمین ایک ہے، لیکن اس کے ٹکڑے مختلف ہیں باوجودیکہ باہم متصل ہیں، مگر خاصیت، کیفیت، مزاج اور قابلیت میں جدا جدا ہیں کوئی ٹکڑا شور ہے، کوئی قابلِ زراعت، کوئی سخت کوئی نرم، کوئی سیاہ، کوئی سرخ، کوئی زرد کوئی سفید، ایک ٹکڑا ایسا ملا تو دوسرا ریتیلا اور تیسرا چکنی مٹی کا، کسی ٹکڑے کا آدھا حصہ خراب ہے اور آدھا اچھا۔ (ابن عباس، مجاہد، سعید اور ضحاک وغیرہ سے یہی تفسیر مروی ہے) غرض باوجود مادہ کی یکسانی کے خواص جدا جدا ہیں۔ ایسا کیوں ہے صرف اللہ کی قدرت، علم، حکمت اور اختیار وارادہ کے سبب سے۔

(۱۱) زمین پر مختلف اقسام کے درخت ہیں۔ باغ ہیں۔ طرح طرح کی کھیتیاں ہیں۔ ایک جڑ سے دو شاخہ نکلتا ہے۔ کبھی تنہ ایک ہوتا ہے اور اوپر چل کر دو شاخیں ہو جاتی ہیں۔ ہر شاخ کی شکل جدا، رنگ علیحدہ اور ضخامت مختلف ہے۔ پھلوں کی مقدار نوعیت اور کیفیت میں بھی فرق ہے۔ کوئی خوشبودار اور لذیذ ہے اور بدبودار اور بدمزہ۔ لذیذ ہونے میں بھی درجات کا اختلاف ہے۔ باوجودیکہ غذا سب کی ایک ہے۔ ایک ہی پانی سے سب کو سیراب کیا جاتا ہے۔ زمین بھی ایک ہی ہے پھر اتنی کھلی ہوئی بیگانگی کیوں ہے؟ محض اللہ کی مشیت اور اس کی ہمہ گیر طاقت کی وجہ سے۔

(۱۲) یہ سب براہینِ قدرت ہیں، دلائلِ ربوبیت ہیں، شواہدِ صنعت ہیں، آثارِ الوہیت ہیں، لیکن کوتاہ فہم، کور بصیرت اور کند ذہن رکھنے والوں کے لئے نہیں بلکہ ہوش حواس بصیرت ودانش رکھنے والوں کے لئے۔ ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں، سمجھتے ہیں، سوچتے ہیں، غور کرتے ہیں اور مصنوعات سے صانع پر استدلال کرتے اور آثار سے موثر تک پہنچتے ہیں۔

کل آیات کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عظیم الشان عرش اور اونچے آسمانوں کو بغیر ستونوں کے پیدا کرنے والا، آفتاب وماہتاب کو مقررہ رفتار اور معین وقت تک چلانے والا عالم کا انتظام کرنے والا، زمین کو پھیلا کر اس پر پہاڑ کی میخیں قائم کرنے والا اور دریاؤں کو بہانے والا، ہر قسم کے پھل پھول کھیتی باڑی پیدا کرنے والا، رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو ڈھانکنے والا، ایک مادہ کی اور ایک قوام کی زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہر ٹکڑے کو دوسرے سے مختلف بنانے والا اور ایک ہی پانی سے قسم قسم کے درخت اور جدا جدا مزے کے پھل پیدا کرنے والا محض اللہ ہی ہے۔ لہٰذا وہی لائقِ پرستش والوہیت ہے۔

اہلِ باطن کے لئے چند اشارات

تفسیری مطلب تو ہم نے بیان کر دیا، لیکن اہلِ باطن کے لئے کچھ رموز واشارات بھی ظاہر کرتے ہیں جن سے اہلِ ذوق ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ پاک باطن والے کہتے ہیں کہ انسانی ارواح آسمان ہیں۔ بشری قلوب عرش ہیں۔ ستون مادہ ہے۔ شمس وقمر معرفت وعلم ہیں۔ تدبیرِ امر سے مراد ہے بشریت کی تکمیل بصفاتِ ملکوتی۔ تفصیل آیات سے مراد ہے تفصیل معارف بانوارِ یقین۔ مطلب کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے ارواح کو بغیر مادہ کے پیدا کیا جو ازل سے ابد تک بقائے قدم باقی ہیں پھر قلوبِ انسانی پر اپنے انوارِ تجلی کا ظہور کیا۔ معرفت اور علم کو قلب سے روح تک جاری کیا۔ قلب سے روح تک جو مسافت ہے یعنی معرفت وعلم کے لئے اجل مقرر ہے۔ معرفت وعلم (چاند سورج میں قبض وبسط طلوع وغروب) ہوتا رہتا ہے۔ اسی معرفت وعلم کی رفتار عالمِ عقل میں بانوارِ مشاہدات ہوتی رہتی ہے۔ اللہ ہی انسانیت کی تکمیل کرتا ہے یعنی انسان کے اندر ملکوتی صفات پیدا کرتا ہے۔ وہی اپنی آیات یعنی معارف کی تفصیل انوارِ یقین کے موافق کرتا ہے۔ جہاں نورِ ایمان زائد ہے وہاں معرفت زائد ہے۔ جہاں ایمان کی روشنی کم ہے وہاں معرفت بھی کم ہے۔ اللہ نے یہ سب کچھ کیوں کیا؟ صرف اس لئے کہ انسان کو ملکوتی بصیرت کے ذریعہ سے معرفت کا مشاہدہ اور صفاتِ الٰہیہ کی تجلی حاصل ہو جائے اور حصولِ معرفت وتجلی صفات کے بعد اہلِ یقین کے درجہ تک اس کی رسائی ہو جائے۔

ابن عطا کا قول ہے کہ تدبیرِ امور تقدیرِ ازلی کے موافق ہے اور تفصیل آیات قضاءِ الٰہی کی رفتار کا نام ہے۔ اس سے انسان کو اپنی مجبوری کا یقین

toobaafoundation.com

ہوجاتا ہے ۔ وہ سمجھ لیتا ہے کہ اللہ ہی تمام امور اور ان کے تمام احوال کو مقرر فرماتا پھر اس تقرر کے موافق جاری فرماتا ہے ۔
اہلِ بصیرت کہتے ہیں کہ زمین سے مراد مادہ ہے ۔ پہاڑوں سے مراد جسمانی صورتیں ہیں ۔ انہار سے مراد نوعی صورتیں ہیں ۔ ثمرات سے مختلف احوال و مدارج مراد ہیں ۔ مطلب یہ کہ اللہ نے ایک مادہ پیدا کیا مادہ کو باقی رکھنے کیلئے صورِ جسمیہ پیدا کئیں، صورِ جسمیہ اور مادہ کے اختلاط سے جسم بنا پھر اجسام کا باہم نوعی اختلاف مختلف نوعی صورتوں کی وجہ سے ہوا اور انھیں نوعی صورتوں کے اختلاف کا نتیجہ مختلف کیفیات، حالات، رنگ اور بو کی شکل میں ظاہر ہوا ۔

مقصودِ بیان عالمِ اجسام و عالمِ ارواح کا خلاقِ مطلق اور ان کا انتظام کرنے والا اللہ ہی ہے ۔ موجد بھی وہی ہے اور مربی بھی ۔ لہٰذا معبود بھی اسی کو ہونا چاہیئے ۔ چاند اور سورج فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں ۔ ان کی سیرگاہ اور وقت رفتار اور انتہاء رفتار مقرر ہے ۔ زمین کا ہر پھل نر و مادہ ہوتا ہے ۔ زمین ایک ہے اس کے ٹکڑے جدا جدا ہیں ، لیکن متصل ہیں ۔ باوجود اتصال کے خاصیات و کیفیات میں مختلف ہیں ۔ اسی بنا پر جو پھل پھول اور درخت زمین سے پیدا ہوتے ہیں وہ اگرچہ پانی سے ہی غذا حاصل کرتے ہیں ، مگر کیفیات شکل اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں ۔ مادی اور فاعلی قوتوں کے اتحاد کے باوجود نتائج و کیفیات کا اختلاف دلالت کررہا ہے کہ ہر چیز کی تخلیق ایک فعالِ مطلق کے ہاتھ میں ہے جو مختار حکیم ہے ۔ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور جب تخلیق کی باگ اسی کے دستِ قدرت میں ہے تو وہی لائقِ پرستش بھی ہے ۔ آیات میں دعوت دی گئی ہے کہ مصنوعات اور آیاتِ قدرت میں غور و فکر کرو ۔ سوچو سمجھو اور نتیجہ پر پہنچو ۔ عقل و تدبیر سے کام لو ۔ اثر سے مؤثر تک اور نتیجۂ فعل سے فاعل پر استدلال کرو ۔ گویا اس سے درپردہ اس طرف اشارہ ہے کہ قابلِ غور مصنوعات کے حالات ہیں ۔ صانع کے متعلق غور کرنا اور عقلی گھوڑے دوڑانا عبث فعل ہے ۔ وہاں عقل کی رسائی نہیں لہٰذا ذاتِ الٰہی کے متعلق کچھ نہ سوچو ۔ مظاہرِ قدرت کو دیکھ کر صفاتِ الٰہیہ کا فی الجملہ علم حاصل کرنا اہلِ ایمان کا خاصہ ہے ۔ وہ قومیں گمراہ ہیں جو ذاتِ الٰہی کا تجزیہ کرتی ہیں ۔ اس کی ذات کے متعلق کوئی ریمارک کرنا گمراہی ہے ۔ اس کی حقیقت تک پہنچنا ناممکن ہے وغیرہ ۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬ؕ اُولٰٓئِكَ

اور اگر تم تعجب کرو تو (زیادہ) عجیب اُن کا قول ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا پھر ہم از سرِ نو پیدا ہوں گے ۔ یہی ہیں وہ لوگ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ

جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا انہی کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور یہی دوزخی

النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○

ہوں گے جس کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان فرمایا تھا کہ صنائعِ قدرت اور آثارِ وحدانیت سے انھیں لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے جو عقل و فہم سے کام لیتے ہیں ۔ جن کے دلوں میں ایمان کا نور ہے ۔ جو غور و فکر کے اثر سے مؤثر تک پہنچتے ہیں ۔ ان آیات میں ان بدباطن سیاہ دل کافروں کا بیان ہے جو مظاہرِ قدرت کی طرف سے چشمِ بصیرت بند کر لیتے ہیں اور باوجود شواہد و مظاہرہ کے اللہ کی توحید و خلاقی کو نہیں مانتے ۔ چونکہ حضورِ اقدس ﷺ توحید کے سمندر میں مستغرق تھے ۔ شواہدِ ملکوت و جبروت مشاہدہ کرتے اور تمام نشانہائے قدرتِ الٰہی اللہ کی وحدانیت و قدرت کا معائنہ فرماتے تھے ، اس لئے بدباطن کور چشم کافروں کے حال پر آپ کو تعجب ہوتا تھا ۔ حضور کو ایک اچنبا تھا کہ باوجود اس قدر واضح آیات اور کھلی ہوئی بینات کے کافر کس طرح اللہ کی

toobaafoundation.com

وحدانیت اور میری رسالت میں شک کرتے ہیں اور کیوں اپنی آنکھوں سے میرے قول کی صداقت کو نہیں دیکھتے۔ آفتاب کا انکار کس طرح ممکن ہو۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی تم کو ان کی حالت پر تعجب ہوتا ہے، لیکن اس سے زیادہ تعجب انگیز تو ان کا انکار معاد ہے یہ کہتے ہیں کہ جب ہم مر کر مٹی ہو گئے تو از سرِ نو تخلیق ہماری کس طرح ممکن ہے (یعنی وحدانیت ذات تو پھر کسی قدر خفی چیز ہے۔ خدا کی خلاقی صفت تو بالکل واضح ترین بدیہیات میں سے ہے۔ کل عالم اجسام و عالم ارواح کا خالق جب وہی ہے تو مٹی سے دوبارہ انسان کو پیدا کرنا کیا مشکل کام ہے) اس کے بعد فرماتا ہے یہی لوگ کافر اور اللہ کے منکر ہیں (خدا کو عاجز سمجھتے ہیں گویا خدا کو جانتے ہی نہیں) ان کی سزا دوامی جہنم ہے۔

مسئلہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ بعض گناہ گار مومن بھی دوزخ میں جائیں گے، لیکن بقدر مشیت الٰہی کے عذاب اٹھا کر جہنم سے رہا کر دئے جائیں گے اور نہر حیات میں غوطہ دے کر جنت میں داخل کر دئے جائیں گے۔ بعض مومن گناہ گاروں کی دوزخ سے رہائی انبیاء، صلحاء اور ملائکہ کی شفاعت سے ہوگی۔ بہرحال ہمیشہ کے لئے دوزخ میں گناہ گار مومن نہ رہے گا۔ غیر منقطع عذاب صرف کافروں پر ہوگا۔

مقصودِ بیان انکار ذات کی بہ نسبت انکار صفات زیادہ عجیب ہے۔ خصوصاً معاد جسمانی کا انکار تو اللہ میں عجز پیدا کرتا ہے۔ ذات و صفات کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ ذاتِ الٰہی میں ایسی صفات ماننا جن سے اس کی تنقیص لازم آئے یا کسی کمالی صفت کا انکار کرنا دونوں موجب کفر ہیں۔ حشرِ جسمانی کا انکار کفر ہے۔ کافر ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یعنی جو کافر ہوگا وہ ہمیشہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ مدت کے لئے دوزخ میں بھیج دیا جائے اور پھر سزا اٹھا کر یا دوران میعاد میں کسی وجہ سے رہائی پا جائے وغیرہ۔

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلَاتُ ۗ وَإِنَّ

(اے نبی) یہ لوگ بھلائی سے پہلے تم سے برائی طلب کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے بہت سے واقعات گزر چکے ہیں اور تمہارا

رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِلنَّاسِ عَلَىٰ ظُلْمِهِمْ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

رب لوگوں کو باوجود ان کے ستمگار ہونے کے معاف کرتا ہے اور تمہارا رب سخت عذاب والا بھی ہے

تفسیر قرآن پاک کا طرزِ تبلیغ بھی عجیب ہے۔ انکار قیامت کو گزشتہ آیت میں تعجب انگیز پیرایۂ بیان میں ظاہر فرما کر تنبیہ کی تھی کہ وجودِ قیامت اس قدر بدیہی اور کھلا ہوا ہے کہ اس کا انکار ناممکن ہے۔ اس پر نضر بن حارث کہا کرتے تھے کہ اگر تمہارا یقین حق ہے اور قیامت ضرور آنی ہے اور عذاب و ثواب لازم ہے تو پھر تاخیر کیوں ہے؟ جو کل ہونا ہے وہ آج ہی ہو جائے تاکہ ہم کو بھی یقین ہو جائے۔ اس قول کی تردید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ یقین آنے اور عبرت حاصل کرنے کے لئے گزشتہ اقوام کی مثالیں کافی ہیں۔ غیر معدود نظیریں گزر چکی ہیں۔ سابق انبیاء کی منکر قوموں پر دنیا ہی میں عذاب نازل ہو چکا ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا عذاب ابھی نازل کر سکتا ہے، لیکن خود نہیں کرتا۔ باوجود شرک و کفر اور معصیت کے اپنی رحمتِ عامہ کی وجہ سے اب مواخذہ نہیں کرتا اس نے ڈھیل دے رکھی ہے۔ موت تک مہلت ہے، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ کبھی گرفت نہ کرے گا۔ مواخذہ ضرور کرے گا۔ اس کا آخری عذاب بہت سخت ہے۔

مَثُلٰت کے معنی میں اہلِ تفسیر کا اختلاف ہے۔ ابن انباری کا قول ہے مثلات وہ عذاب ہیں جن کا اثر سزا یافتہ اشخاص یا اقوام میں بطور عیب باقی رہتا ہے۔ قتادہ اور ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ عقوبات کیا ہے۔ یعنی گزشتہ امتوں پر جو عذاب نازل ہو چکے ہیں وہ سب مثلات ہیں۔ میری نظر میں وہ نصیحت انگیز عبرت خیز انواع عذاب جو دوسروں کو شرک و معصیت سے روک دینے کا باعث ہوں مثلات کے ذیل میں داخل ہیں۔

ایک شبہ - آیت اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ دلالت کر رہی ہے کہ مشرکین بھی قابلِ مغفرت ہیں اور وہ بھی غفرانِ الٰہی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں

toobaafoundation.com

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ مشرکین کے لئے بھی مغفرت کرنے والا ہے بشرطیکہ مرتے وقت وہ توبہ کریں، لیکن یہ جواب ضعیف

ازالہ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ توبہ کرنے کے بعد مشرک مشرک ہی نہیں رہتا۔ مقاتل کا جواب اس سے بہتر ہے کہ :۔ مغفرت کی دو صورتیں ہیں ایک عمومی دوسری خصوصی۔ دنیا میں آدمی کیسا ہی گناہ کرے۔ فسق فجور، کفر و شرک وغیرہ۔ مگر خدا تعالیٰ قبل از وقت اس کی گرفت نہیں کرتا۔ موت تک ڈھیل دیتا رہتا ہے، اور آخر وقت تک درگزر فرماتا ہے۔ یہ عمومی مغفرت ہے جس سے فائدہ اندوز مومن بھی ہیں اور کافر بھی۔ اگر خدا تعالیٰ کی یہ عمومی مغفرت نہ ہوتی تو سطح زمین پر کوئی جان دار زندہ نہ بچتا۔ دوسری آیت میں ہے۔ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ ہی خصوصیت مغفرت وہ آخرت میں ہوگی اور اہل ایمان کے ساتھ مخصوص ہے۔ میرے نزدیک سادہ جواب یہ ہے کہ اس آیت سے مغفرت الٰہی کا عموم معلوم ہوتا ہے۔ مومن ہو مشرک ہو کوئی بھی ہو اگر بغیر توبہ کے مرجائے تو اس کی مغفرت ہو سکتی ہے، لیکن دوسری آیت جس کا نزول اس آیت کے بعد ہے بتا رہی ہے کہ مشرک کی مغفرت کبھی نہ ہوگی لہٰذا آیت کا عموم مخصوص البعض ہوگیا اور اس کے ذیل میں صرف اہل ایمان ہی داخل رہے۔ یہ جواب اس صورت میں ہوگا جب مغفرت سے اُخروی مغفرت مراد لی جائے جیسا کہ سیاق آیات سے معلوم ہوتا ہے تو مقاتل کا جواب بہتر ہے۔

مقصودِ بیان آیت میں درپردہ ہدایت ہے کہ زندگی کو غنیمت سمجھنا چاہیئے۔ جتنی بھی مہلت ہے اس میں نیکی کی بیش از بیش کوشش کرنی لازم ہے۔ گزشتہ تاریخ سے سبق لینا ضروری ہے۔ اللہ کی رحمت عام ہے۔ باوجود سرکشی اور نافرمانی کے اس کی دنیوی رحمت میں کمی نہیں ہوتی۔ آخری آیات میں بیم و رجا کا مظاہرہ ہے اور فی الجملہ ضمناً اشارہ ہے کہ بیم و رجا کے درمیان ہی ایمان کا مرتبہ ہے۔ مومن کو تو خدا کی رحمت سے مایوس ہونا چاہیئے نہ خدا کی گرفت سے بے خوف وغیرہ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ

کافر کہتے ہیں کہ اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی کھلا ہوا معجزہ کیوں نہیں اُتارا گیا (اے محمد) تم تو صرف

مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۧ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ ع ۷

ڈرانے والے ہو اور ہر قوم کا ایک ہادی ہوتا ہے اللہ جانتا ہے اس چیز کو جو ہر مادہ اپنے پیٹ میں لئے ہوتی ہے اور پیٹ کے

الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝ عٰلِمُ الْغَيْبِ

گھٹنے بڑھنے سے بھی واقف ہے اور ہر چیز اُس کے نزدیک اندازہ سے ہے وہ ظاہر و باطن

وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝

کو جاننے والا سب سے بڑا اور عالی شان ہے

تفسیر خدا تعالیٰ نے اپنے رسول پاکؐ پر اس قدر کثیر آیات و معجزات کا نزول فرمایا کہ ان کے بیان کے لئے ضخیم مجلدات کی ضرورت ہے۔ آنکھوں والوں کو معجزات دکھائی دیئے۔ آیات باہرات نظر آئیں۔ ایمان میں ترقی یقین میں اضافہ ہوتا گیا، لیکن کوتاہ نظر محسوس پرست طبقہ کو شرک کی تاریکی ڈھانکے ہوئے تھی۔ اس کو حق کی روشنی کیسے سوجھتی۔ معجزات کی کثیر مقدار بھی اس کی ہدایت کے لئے کافی نہ ہوئی۔ محض عناد سے روزانہ نئے نئے معجزات کی فرمائش اس کا شیوہ ہوگیا۔ یہ معاند گروہ کبھی معاندانہ طریق میں کہتا کوہ صفا کو سونے کا کردو۔ مکہ کو کشادہ کردو۔ یہاں سے

toobaafoundation.com

پہاڑ ہٹ جائیں ۔ سبزہ زار اور نہریں ہو جائیں ۔ کبھی کہتا غیبی خزانے ہم پر کیوں نہیں اترتے ۔ فرشتہ نازل ہو کر تمہاری صداقت کی شہادت کیوں نہیں دیتا ۔ حضور والاؐ نے ان کوربا طن کافروں کے وعدہ پر نظر فرما کر چاہا کہ ان کی تکمیل کی عرض داشت کے لئے دعا کریں ، مگر بذریعہ وحی حکم ہو گیا کہ ہدایت وایمان مقدر ہے اسباب پر منحصر نہیں ۔ اگلی قوموں نے اسی طرح اصرار کے ساتھ معجزات مانگے لیکن پھر ایمان نہ لائے ۔ تقدیر غالب ہوئی آخر کار عذاب میں تاخیر نہ ہوئی یہی قانونِ الٰہی ہے ۔ حضورؐ یہ فرمان سن کر دعا کرنے سے باز رہے اور التجا کی کہ ان کو ہلاک نہ کیا جائے میں ہدایت کرنے کی کوشش کروں گا ۔ جب اس تیرہ باطن طبقہ کے لئے عقل و بصیرت کی کوئی روشنی کافی نہ ہوئی تو قدیمی معاندانہ رنگ میں بولے آخر کیا بات ہے کہ تمہارے اوپر کوئی نشانی (یعنی ایسی محسوس نشانی جو ہماری ہدایت کے لئے کافی ہو) نہیں اتاری جاتی ۔ خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ محمدؐ تمہارا کام محض عذابِ الٰہی سے ڈرانے کا ہے ۔ ہر قوم کا ایک راہنما ہوتا ہے اور ہر امت کا ایک پیغمبر ہوا ہے ۔ تم بھی راہنما ہو ۔ عذاب سے ڈرانے والے یعنی ایمان کی طرف بلانے والے ہو (سینہ چیر کر) ایمان داخل کر دینا اور منزلِ مقصود پر پہنچا دینا تمہارا کام نہیں ۔ یہ کام اللہ کا ہے ۔ بیضاوی نے آیات مذکورہ کی تفسیر میں کہا کہ خدا تعالیٰ نے خالص وحی کے ذریعہ سے جن آیات کو رسول اللہ پر نازل فرمایا اہلِ کفران کو شمار میں نہ لائے ۔ اور ایسے معجزات کے طالب ہوئے جیسے موسیٰ و عیسیٰ کو دئے گئے تھے ۔ اس پر حکم ہوا کہ تم کو صرف انذار و ترہیب کے لئے بھیجا گیا ہے ۔ تم سے پہلے اور پیغمبر بھی بھیجے گئے ۔ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ مناسب حال کوئی ایسا معجزہ دکھاؤ جس سے صحت نبوت کا ثبوت ہو جائے ۔ یہ لازم نہیں کہ جو کچھ کفار کہیں اس کو پیش کرو ۔ امام رازی نے اسی تفسیر کو پسند کیا ہے ۔

آیت لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ کے مطلب میں اختلاف ہے ۔ ابن عباس کے نزدیک ہادی سے مراد راہ راست کی طرف بلانے والا ۔ مجاہد کے نزدیک ہادی سے نبی مراد ہے ۔ سعید بن جبیر، ضحاک و مجاہد وغیرہ نے آیت کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے کہ تم فقط منذر ہو اور اللہ ہر قوم کا ہادی ہے ۔ یعنی تم ہادی نہیں ہو ۔

میرے نزدیک آیت کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اے رسول تم فقط منذر ہو ۔ عذابِ الٰہی سے ڈرانا تمہارا کام ہے اور تم ہی ہر قوم کے ہادی ہو ۔ ہر قوم کو راہِ راست دکھانا اور اللہ کی طرف بلانا بھی تمہارا کام ہے ۔ گویا منذر اور ہادی دونوں صفتیں رسول کی بیان کی گئیں ۔ عکرمہ اور ابوالضحیٰ کا بھی یہی قول ہے ۔

جب آیت مذکورہ میں بیان کر دیا کہ نبی کا کام صرف رہنمائی ہے ۔ منزل پر پہنچانا اللہ کا کام ہے تو اس سے آگے خدا تعالیٰ کے وہ خصوصی اوصاف بیان کئے جن سے اس کے علم کی ہمہ گیری، عمومی تسلط اور جلالتِ شان ظاہر ہوتی ہے ۔ ان آیات کے تین حصے ہیں ۔ (۱) ہر مادہ کے رحم کے اندر جو حمل ہوتا ہے اللہ اس سے خوب واقف ہے اور قطعی طور پر جانتا ہے کہ وہ حمل نر ہے یا مادہ (سیوطی) خوبصورت ہے یا بدصورت، جنتی ہے یا دوزخی اس کی عمر زیادہ ہے یا کم (ابن کثیر) صحیحین میں ابن مسعود کی مرفوع روایت منقول ہے جس کا آخری حصہ یہ ہے کہ حالتِ حمل میں جب آدمی گوشت کے لوتھڑے کی مانند ہوتا ہے اس وقت ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے ۔ اس کا رزق ، اس کی عمر ، اس کے اعمال یعنی جنتی یا دوزخی ہونا یا نر مادہ ہونا لکھ لیتا ہے ۔ (۲) رحم کی کمی بیشی کو بھی اللہ ہی جانتا ہے یعنی مدتِ حمل کی صحیح مقدار سے اللہ ہی واقف ہوتا ہے کہ بچہ کتنے زمانے میں پیدا ہوگا ۔ پورے نو مہینے یا اس سے کم یا اس سے زیادہ (بعض علماء نے اس سے خونِ حیض کی کمی بیشی مراد لی ہے) اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ (۳) اللہ کے نزدیک ہر چیز کا اندازہ مقرر ہے جس سے بڑھا و گھٹاؤ نہیں ہو سکتا ۔ ہر چیز کی مقدار عمر ، حجم ، خوبصورتی ، بدصورتی ، اچھائی برائی غرض ہر حالت ، ہر کیفیت ، اور ہر نوعیت مقدر ہے ۔ اس کو ظاہر باطن اور غیب و حضور کا علم ہے ۔ کوئی چیز اس کے علمی احاطہ سے خارج نہیں ۔ لہٰذا اس نے اپنے علم کے بموجب کل چیز کا مخصوص اندازہ کر لیا اور وہی مخصوص اندازہ اس کے لئے مقرر فرما دیا ۔ صحیح حدیث میں تقدیر خیر و شر پر یقین کرنے کو مدارِ ایمان قرار دیا ہے ۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے سامنے جب معبد جہنی کا یہ قول نقل کیا گیا کہ تقدیر کوئی چیز نہیں ہے ۔ بلکہ بندہ کے افعال کے نتیجے کا نام تقدیر ہے تو آپ نے فرمایا تم ان لوگوں سے بوقت ملاقات کہہ دینا کہ میرا ان سے اور ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ قسم ہے اللہ کی اگر ان کے پاس کوہِ احد کی برابر سونا ہو اور وہ اس کو خیرات کر دے تو اللہ اس کو قبول نہ فرمائے گا جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہ لائے گا ۔

toobaafoundation.com

(رواہ اصحاب الصحاح)

مقصودِ بیان ازلی بدبختوں کو نشانِ معرفت مفید نہیں ہوتا وہ ہمیشہ مزید نشانیاں طلب کرتے رہتے ہیں۔ محسوس پرست دماغ رکھنے والے عقل و بصیرت سے کورے رہتے ہیں وہ محسوس جاہلانہ معجزہ چاہتے رہتے ہیں اور ایسے ہی معجزہ کو معیارِ نبوت جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں نہ تھا کہ کسی کو مومن بنا سکتے۔ آپ کا کام صرف تبلیغ تھا۔ مقصود تک پہنچانا اللہ کے بس میں ہے۔ یہ آیت ان عالم نما جاہلوں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو غیر اللہ سے مرادیں مانگتے اور بیڑا پار کرنے والے جانتے ہیں شکم مادر کے اندر بچہ کے کل احوال کا قطعی علم اللہ ہی کو ہوتا ہے۔ اگرچہ ظنی اور تخمینی علم ڈاکٹروں، حکیموں اور دیگر تجربہ کاروں کو بھی قرائن سے ہو جاتا ہے، مگر ان کا یہ علم یقینی اور قطعی نہیں ہوتا صرف ظنی مہارت کے تحت ہوتا ہے۔ ہر چیز کی ہر حالت، ہر کیفیت اور ہر مدت مقرر ہے۔ تقدیر ازلی ہر چیز کو محیط ہے۔ نتیجۂ عمل کا نام تقدیر نہیں بلکہ باعثِ عمل کا نام تقدیر ہے وغیرہ۔

سَوَآءٌ مِّنكُم مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَن جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِاللَّيْلِ وَ

برابر ہے تم میں سے جو چپکے سے بات کہے اور جو چلا کر کہے اور جو رات میں چھپا رہے اور جو

سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝ لَهُۥ مُعَقِّبَٰتٌ مِّنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِۦ يَحْفَظُونَهُۥ

دن میں چلنے والا ہو انسان کے آگے پیچھے نگہبان فرشتے ہوتے ہیں جو بحکمِ خدا

مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا۟ مَا بِأَنفُسِهِمْ ۗ وَإِذَآ

اس کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تاوقتیکہ وہ اپنی اندرونی حالت نہ بدلیں اگر اللہ کسی

أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهُۥ ۚ وَمَا لَهُم مِّن دُونِهِۦ مِن وَالٍ ۝

قوم پر مصیبت ڈالنی چاہتا ہے تو وہ ٹل نہیں سکتی اور سوائے خدا کے ان کا کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

تفسیر ایک روز جناب رسول پاک ﷺ مع صحابہ کے مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے۔ عامر بن طفیل شاعر اور اربد بن ربیعہ حاضرِ خدمت ہوئے عامر حسین بہت تھا، مگر کانا تھا۔ لوگ اس کی طرف تکنے لگے۔ عامر نے سامنے آکر کھڑے ہو کر عرض کیا محمد! اگر میں تم کو مان لوں تو مجھ کو کیا ملے گا؟ حضورؐ نے فرمایا جو دوسرے مسلمانوں کو ملتا ہے یا ملے گا وہی تم کو ملے گا۔ عامر بولا اگر اپنے بعد جانشینی کی دستاویز لکھ دو تو مسلمان ہو جاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے حق تعالیٰ جس سے چاہے کام لے۔ عامر نے کہا اچھا یہ نہیں تو ملک تقسیم کر دو بھائی حصہ میرا اور سکنائی آپ کا۔ حضورؐ نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا۔ عامر نے کہا پھر کیا؟ حضورؐ نے فرمایا گھوڑے دے سکتا ہوں اس شرط پر کہ جہاد کیا کرو۔ عامر نے کہا اچھا خلوت میں چل کر کچھ بات سن لیجئے۔ حضورؐ اٹھ کھڑے ہوئے اور باتیں ہونے لگیں۔ عامر نے اپنے رفیق اربد کو پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ جس وقت میں باتوں میں مشغول کروں تو پیچھے سے تلوار چلا دینا۔ چنانچہ اربد آیا اور تلوار سونتی، مگر وہ بالشت بھر نکل کر نیام میں پھنس گئی۔ حضورؐ نے پیچھے رخ کیا تو اربد کو تلوار نکالنے کی کوشش میں پایا۔ اس وقت بارگاہِ الٰہی میں دعا کی الٰہی یہ دونوں تیرے حوالے جس طرح چاہے میرا بدلہ لے۔ چنانچہ اربد پر تو بجلی گری اور وہ جل کر سوختہ ہو گیا۔ باوجودیکہ ابر تھا نہ غبار کھلا آسمان تھا اور عامر یہ کہہ کر بھاگ گیا کہ محمد نے اپنے رب سے بددعا کر کے میرے دوست کو تو ہلاک کرا دیا۔ دیکھو میں بھی کیسا جرار لشکر لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر قبیلہ بنی سلول کی ایک

toobaafoundation.com

عورت کے ہاں جاکر ٹھہرا۔ صبح ہوئی تو روانگی کی تیاری کی۔ دفعتاً کان کی جڑ میں درد اور سوزش ہوئی اور طاعون کی گلٹی برآمد ہوئی۔ زندگی سے مایوس ہوگیا۔ غصہ میں بھرا ہوا جنگل کی طرف بھاگا اور چلایا اے موت جلد آ اگر محمد کو اور تجھے دیکھ پاؤں تو نیزہ مارے بغیر نہ رہوں۔ یہ کہہ کر گستاخانہ شعر پڑھے۔ دفعتاً غیبی طمانچہ ایسا لگا کہ زمین پر گر گیا آخر پھر اٹھا اور گھوڑے پر چڑھا اسی حالت میں دم نکل گیا۔ اسی واقعہ کے متعلق ان آیات کا نزول ہوا۔ اس شانِ نزول کو پیش نظر رکھتے ہوئے لَہٗ کی ضمیر رسول پاکؐ کی طرف راجع ہوگی۔ ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ معالم میں آیت کی شانِ نزول بھی یہی مذکور ہے، لیکن حکم کو عمومی قرار دیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ چھپ کر کوئی بات کرے یا آواز سے چلا کر خدا کے نزدیک سب برابر ہے۔ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔ رات کی تاریکی میں چھپ کر کام کرنے والا اور دن میں علی الاعلان کرنے والا دونوں برابر ہیں۔ غرض کہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ اس کی سماعت میں اخفار اور مجاہرہ سے فرق نہیں پڑتا۔ چپکے چپکے باتیں کرنا اور چلا کر کرنا دونوں اس کے نزدیک برابر ہیں۔ اسی طرح اس کی بصارت و نظر میں یکسانی ہے۔ دن کی روشنی میں کوئی کام کیا جائے یا رات کی تاریکی میں تنہائی کے اندر چھپ کر، بہرحال وہ دیکھتا ہے۔ اس کے دیکھنے کے لئے رُخ جہت مقابلہ اور روشنی کی ضرورت نہیں۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ ہر انسان کی حفاظت کے لئے بحکم خدا کچھ فرشتے مقرر ہیں جو انسان کے آگے پیچھے ہر وقت لگے رہتے ہیں اور ان کا باہم تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

مُعَقِّبٰت سے کون فرشتے مراد ہیں؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ شیخ حافظ کا قول ہے کہ ان سے مراد چار فرشتے ہیں ایک آگے رہتا ہے ایک پیچھے، ایک دائیں طرف دوسرا بائیں طرف۔ آگے پیچھے والے فرشتے انسان کو مکروہات و مصائب سے بچاتے ہیں اور دائیں بائیں والے اچھے بُرے اعمال لکھتے ہیں۔ ان چاروں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ دن کے فرشتے اور ہیں اور رات کے اور۔

مجاہد کا قول ہے کہ ہر آدمی کی حفاظت کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے جو خواب و بیداری میں جن و انس، سانپ بچھو اور دوسرے کیڑے مکوڑوں کی ضرر سے آدمی کو بچاتا رہتا ہے۔ الا ماشاء اللہ۔ سعید بن جبیر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ آدمی کی حفاظت فرشتے اس طرح آگے پیچھے سے کرتے رہتے ہیں جس طرح بادشاہ کا باڈی گارڈ حفاظت کرتا ہے۔

بعض احادیث میں نگہبان فرشتوں کی تعداد ستر ہزار فی آدمی بیان کی ہے۔ بعض میں دس فرشتے بیان کئے گئے ہیں۔ بہرحال معقبات سے اعمال لکھنے والے اور حفاظت کرنے والے دونوں طرح کے فرشتے مراد ہیں۔ جن کا صبح شام تبادلہ ہوتا رہتا ہے تعداد کتنی ہی ہو۔

اس کے بعد خدا تعالیٰ نے ایک عام ضابطۂ قدرت بیان فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے ظاہری باطنی احوال کو درست رکھنے اور اس کی حفاظت کرنے کے لئے غیب سے اسباب فراہم کر دیئے ہیں۔ کفر و ایمان اور معصیت و طاعت سے اس عمومی انعام میں کوئی فرق نہیں ہوتا، مگر انسان خود اپنی حالت بدل ڈالتا ہے اور اس نعمتِ الٰہی کو بگاڑ دیتا ہے جو خدا تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہوتی ہے تو پھر اللہ بھی اس کی حالت کو خراب کر دیتا ہے اور اس سے اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ اس وقت فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں۔ کوئی اس کا محافظ، نگہبان اور حامی نہیں رہتا اور بارادۂ الٰہی اس کی حالت تباہ ہو جاتی ہے۔

مقصود بیان

اللہ کے احاطۂ علمی سے کوئی چیز خارج نہیں۔ اس کے سُننے میں آواز کی شدّت و ضعف سے فرق نہیں آتا۔ نہ اس کا دیکھنا روشنی، جہت اور مقابلے کا محتاج ہے۔ گویا آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ سمیع، بصیر مادہ اور عوارض مادہ سے پاک ہے۔ اس کے دیکھنے سُننے کی کیفیت ہی کچھ اور ہے۔ انسان کی حفاظت کے لئے کچھ غیبی فرشتے ہر وقت مقرر رہتے ہیں اور ان کا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔ جب تک انسان خود اپنی حالت نہ بگاڑے اللہ اس کو برباد نہیں کرتا جب وہ خود اسباب ہلاکت فراہم کرتا ہے تو اللہ اپنی نعمت چھین لیتا ہے۔ اس آیت میں موجودہ دور کے مسلمانوں کے لئے خزائنِ عبرت پوشیدہ ہیں مسلمانوں کی موجودہ بربادی خود آمدہ ہے۔ ان کے اندر ظلم کوشی اور حق فراموشی کے وہ عیوب موجود ہیں کہ اگر ان کو دور کرنے کی کوشش نہ کی گئی تو اللہ اپنی نعمت ان سے بالکل چھین لے گا۔ اب تک ان کی حکومت، عزت، دولت اور قوت فنا ہو گئی ہے، آئندہ ان کا وجود معدوم ہستی

toobaafoundation.com

سے مٹا دیا جائے۔ کاش ہمارے علماء، مشائخ اور لیڈر اس آیت سے سبق لیں اور قوم کی ہر تباہی کو تقدیر الٰہی پر محمول کرنے کی بجائے اپنے اعمال کو اس کا کفیل قرار دیں۔ شہرت، مال اور نام آوری کی ہوس کو ترک کر کے خلوص کے ساتھ قوم کے افعال و اعمال کی اصلاح کی کوشش کریں اور خود کو نمونۂ عمل بنائیں وغیرہ۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ وَيُسَبِّحُ

وہی تم کو ڈرانے اور اُمید دلانے کو بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور رعد

الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ

اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکی بیان کرتا ہے اور فرشتے اس کے خوف سے (اس کی حمد کرتے ہیں) اور وہی بجلیاں بھیج کر

فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ۭ

جس پر چاہتا ہے اُن کو گراتا ہے یہ کافر اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہیں حالانکہ وہ سخت قوت والا ہے

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ۭ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ

اُسی کی عبادت ٹھیک ہے اور جو لوگ اُس کو چھوڑ کر غیر کو پکارتے ہیں وہ ان کی دُعا بالکل قبول نہیں کرتے

بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ۭ وَمَا

ہاں اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے تاکہ پانی اس کے منہ میں آ پہنچے حالانکہ پانی اس کے منہ میں نہیں پہنچ سکتا

دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ

اور کافروں کی جتنی پکار ہے سب گمراہی میں ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں علمِ الٰہی کی ہمہ گیری اور قدرتِ الٰہی کا بھی احاطہ بیان فرمایا تھا، لیکن طرزِ بیان علمیانہ تھا جس سے دانش مند لوگوں کو تو فائدہ ضرور ہوتا تھا، مگر کور بصیرت محسوس پرست طبقے کے فہم کی وہاں تک رسائی نہ تھی، اس لئے ان آیات میں طریقہ تبلیغ بدل دیا اور وہ طرز ادا اختیار کیا جس پر غور کرنے کے بعد عام سطحی نظر رکھنے والے بھی توحید الوہیت و ربوبیت کے قائل ہو جائیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ الوہیت کا استحقاق اسی کو ہو سکتا ہے جس کی طاقت اور قدرت سب سے بڑی ہو جس میں نفع نقصان پہنچانے کی قوت ہو، جو مرتی بھی ہو اور مصیبت کے وقت کام بھی آ سکے اور چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ مندرجہ ذیل چار افعال کا بلا شرکت غیرے بلحاظ مختار ہے اور اسی کے دست قدرت میں ذیل کے افعال رہتے ہیں، اسی لئے وہی معبود برحق اور الٰہ مطلق ہے۔ (۱) اللہ کے حکم سے بجلی چمکتی ہے جس سے بارش کی امید اور ہلاکت کا اندیشہ ہوتا ہے (بیضاوی) (۲) اللہ بادلوں کو اٹھاتا ہے جو پانی سے بوجھل ہوتے ہیں وزنی چیز کی خاصیت ہے کہ نیچے کو گرے، مگر بادل باوجود آب اور بھاری ہونے کے اوپر کو اٹھتا ہے۔ یہ بھی قدرت کی ہمہ گیری ہے۔ (۳) بادل میں گرج ہوتی ہے۔ ابر نام ہے آبی اور ہوائی اجزاء کے مجموعہ کا، پانی اور ہوا کا مزاج مرطوب ہے اور رطوبت گرج کے منافی ہے، مگر بادل میں گرج ہوتی ہے۔

toobaafoundation.com

یہ بھی احاطۂ قدرت کی نشانی ہے۔ اکثر مفسرین نے صراحت کی ہے کہ رعد ایک فرشتے کا نام ہے جو ابر پر مامور ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ رعد ایک فرشتہ ہے جو بجلی کے کوڑے سے بادلوں کو ہانکتا ہے۔ اہلِ عقل تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جس طرح انسانی نفوس ہوتے ہیں اسی طرح نفوس ملکی اور نفوس اجرام علوی ہیں۔ نفوس انسانیہ انسانی ابدان کا تحفظ، تربیت اور تدبیر کرنے میں مشغول رہتے ہیں اور اجرام علوی کے نفوس ان اجرام کا تحفظ اور تدبر کرتے رہتے ہیں۔ ہر ستارہ کا نفس علیحدہ ہے، ہر آسمان کا نفس جدا ہے۔ ان نفوس کو اہلِ فلسفہ طبائع کہتے ہیں اور شرع میں ان نفوس کی تعبیر کبھی ملائکہ کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ گویا رعد کو حدیث میں جو فرشتہ کہا گیا ہے، اس سے مراد ہے بادل کی طبیعتِ مدبرہ اور بجلی کے کوڑے مارنے کا مطلب ہے جرم سحابی کی تدبیر و تنظیم۔ رعد اور دوسرے فرشتے اللہ کے ڈر سے اس کی تسبیح میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ رعد کی تسبیح اگرچہ آدمی اور دوسرے حیوانات نہیں سمجھتے، مگر ہیبت ناک آواز سب سنتے ہیں۔ بادل کی گرج اللہ کی قدرت و کبریائی کو بزبانِ حال بیان کرتی ہے۔ (۴) اللہ جہاں چاہتا ہے بجلی گراتا ہے۔ مضبوط پہاڑ، مضبوط مکان اور سرسبز درخت کوئی چیز بھی اگر اس پر بجلی گر جائے تو سالم نہیں بچتی۔ یہ تو اللہ کی جبروتی طاقت ہے۔ رہے وہ معبودانِ باطلہ جن کی پرستش کی دعوت اہل کفر دیتے ہیں اُن کے اندر ہمہ گیر قدرت اور پُرجبروت طاقت ہونا تو درکنار اتنی بھی ان کو توفیق نہیں کہ اپنے پرستاروں اور پکارنے والوں کی دعا ہی قبول کر سکیں اور کسی قسم کا نفع نقصان پہنچا سکیں یا نقصان دفع کر سکیں۔ اُن کو پکارنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی پیاسا پانی پینے کے لئے اس کی طرف ہاتھ بڑھائے، مگر پانی خود بخود اُس کے ہاتھ میں نہیں آسکتا اور نہ مُنہ تک پہنچ سکتا ہے۔ جب تک پانی کو اٹھا کر مُنہ تک نہ لے جایا جائے گا پی نہ سکے گا۔ یہی حال کافروں کا ہے۔ بے عقل بتوں کو پکارتے ہیں۔ بتوں میں کوئی حس نہیں کچھ طاقت و اختیار نہیں پھر کس طرح کسی کی حاجت روائی کر سکتے ہیں۔

مقصودِ بیان بلیغ اور آسان طرزِ بیان میں توحید کی تبلیغ تمام کائنات عنصری کے تابع حکم الٰہی ہونے کا اظہار و غیر اللہ سے مدد مانگنے والوں کی حماقت کا اظہار وغیرہ۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ

اور جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے نیز اُن کے سائے صبح و شام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں خواہ خوشی سے یا

وَالْاٰصَالِ ۝ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۭ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

ناخوشی سے (اے محمد) پوچھو کہ آسمانوں کا اور زمین کا رب کون ہے (پھر خود ہی) کہہ دو اللہ ہے کہہ دو کیا تم نے اُس کے سوا

مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ۭ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي

اور حمایتی بنالئے ہیں جو اپنے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتے کہہ دو کیا نابینا اور بینا

الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ

برابر ہو سکتا ہے یا اندھیری اور اُجالا برابر ہو سکتا ہے یا انھوں نے اللہ کے ایسے شریک بنا رکھے ہیں

خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ

جنھوں نے اللہ کی ایسی مخلوق بنائی ہو اسی وجہ سے پیدائش اُن کی نظر میں یکساں ہو گئی تم کہہ دو کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے وہی یکتا

toobaafoundation.com

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا

اور باجبروت ہے اس نے اوپر سے پانی برسایا جس کی وجہ سے نالے اپنے اندازہ کے موافق بہنے لگے

فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ۚ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ

اور پھولے ہوئے جھاگ کو ریلے کے پانی نے اٹھالیا اور جس چیز کو یہ زیور یا سامان بنانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں

حِلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۚ

اس میں بھی ویسا ہی جھاگ ہے اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال ظاہر فرماتا ہے

فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۖ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

چنانچہ جھاگ تو رائیگاں چلے جاتے ہیں اور جو چیز لوگوں کے لئے کارآمد ہوتی ہے وہ زمین میں ٹھہری

الْأَرْضِ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

رہتی ہے اسی طرح اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے

تفسیر ان آیات میں کبھی الوہیت کا استحقاق چار خصوصی اوصاف سے ثابت کیا ہے اور غیر اللہ سے ان اوصاف کی نفی کرکے اُن کی الوہیت کو باطل کیا ہے۔

ماحصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ چار مخصوص صفات کا حامل ہے۔ (۱) ہر چیز اللہ کے حکم سے مسخر اور مطیع فرمان ہے چار و ناچار اُس کے حکم سے سرتابی نہیں کرسکتی۔ شعور رکھنے والی مخلوق ہو یا بے شعور۔ سب قانونِ قدرت کے زیر حکم ہیں۔ اصول ہوں یا فروع کسی چیز کی ذات ہو یا اُس کا سایہ ہر ایک ضابطۂ الٰہی سے خارج نہیں یا یوں کہو کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ الخ سے ارواح و نفوس کی طرف اشارہ ہے جو شوق میں آکر انوارِ ذات کی تجلّی سے اُس کی طرف جھکتے ہیں اور سایہ سے مراد اُن کے اجسام ہیں جو طبعاً آفتاب ہستی کے طلوع و غروب کے وقت سجدہ کرتے ہیں۔ بہرحال سجدہ سے مراد اطاعت، فرماں پذیری اور انقیاد ہے۔ (کما قال محی الدین ابن عربی) طوعاً سے مراد ہے بالارادہ فرماں پذیر ہونا اور کرھاً سے مراد ہے بلا ارادہ طبعاً مطیع حکم ہونا۔

(۲) انتظام عالم کو برقرار رکھنے والا بالائی اور زیرین مخلوق کی تربیت کرنے والا آباء علویہ اور امہات سفلیہ کی نگرانی کرنے والا آسمانوں اور زمینوں کے سلسلۂ نظم کو درست رکھنے والا سوائے اللہ کے کوئی نہیں۔

(۳) ہر چیز کو عدم سے وجود میں لانے والا نیست سے ہست کرنے والا بھی خدا ہی ہے۔ عالم میں کوئی چیز ایسی نہیں جس کو خدا نے نہ پیدا کیا ہو۔

(۴) اللہ کا تسلط ہمہ گیر ہے اُس کی قدرت عمومی ہے۔ عالم کی کوئی چیز اس سے سرکشی نہیں کرسکتی وہ اپنے اس تسلط میں یگانہ۔۔۔اور بے ہمتا ہے۔

جب یہ چاروں اوصاف خدائے واحد کے اندر موجود ہیں تو بالکل ظاہر ہے کہ اُس کے سوا کسی کو الوہیت کا استحقاق نہیں ہوسکتا۔ اگر

toobaafoundation.com

اُس کے علاوہ کسی اور کو معبود و مسجود فرض کیا جائے تو نفع یا ضرر پہنچانے کی طاقت اُس میں ہونی چاہیئے۔ اُس کو قدرت تخلیق کا حامل ہونا لازم ہے۔ کوئی ایسی چیز بھی ہونی ضروری ہے جس کو اُس نے پیدا کیا ہو۔ جب ان امور میں سے کوئی بات نہیں تو پھر الوہیت یا ربوبیت میں کسی غیر کو اللہ کا شریک قرار دینا فطرت عقل اور ہدایت کے خلاف ہے۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ حق و باطل کی دو مثالیں ہیں: - آبی اور آتشی۔ پہلی مثال یہ ہے کہ ابر رحمت سے پانی برستا ہے اور ندی نالے بھر جاتے ہیں۔ کوئی نالہ چھوٹا ہوتا ہے کوئی بڑا۔ ہر ایک میں جتنی وسعت ہوتی ہے پانی اس میں اتنا ہی سماتا ہے۔ جب نالے بھر کر بہنے لگتے ہیں تو کف اوپر آجاتا ہے مگر کف بے کار چیز ہے اور پانی کارآمد ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد کف پھٹ جاتا ہے نیچے بیٹھ جاتا ہے اور پانی خالص رہ جاتا ہے جو باغوں اور کھیتوں کو سرسبز کرتا ہے۔ اسی طرح جب مبدء فیاض سے فیض جاری ہوتا ہے، رسول پاکؐ کے ذریعے سے نور ایمان ابر رحمت سے برستا ہے تو اہل بصیرت کے قلوب اس سے بھر جاتے ہیں بقدر حوصلہ ہوتا ہے اور جس قدر ظرف ہوتا ہے اتنا ہی نور ایمان اُس میں سماتا ہے۔ جب قلوب حسب تفاوت مرتبہ ایمان سے لبریز ہو جاتے ہیں تو مختلف اطراف میں نور کا بہاؤ ہوتا ہے، لیکن باطل اور ناحق کا کف حق کے پانی پر چند روز کے لئے غلبہ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ اہل باطل اپنے تمام سرمایۂ دنیا کو لے کر اُن پر چڑھ دوڑتے ہیں۔ حکومت، عزت، دولت، صحت وغیرہ سب کچھ اُن کے ہاتھ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ غلبہ اور تسلط عارضی اور چند روزہ ہوتا ہے۔ انجام کار اہل حق کو فتح اور باطل کو شکست ہوتی ہے۔ اللہ کا بول بالا ہوتا ہے اور پھر اہل ایمان کے دلوں کا نور حق زمین اور اہل زمین کو شاداب کرتا ہے۔ قوانین عدل جاری ہوتے ہیں۔ نیکی اور خیر کی اشاعت ہوتی ہے اور ظلم و جور کی بیخ کنی ہو جاتی ہے۔

دوسری مثال کا حاصل بھی اسی کے قریب ہے جو کوئی چیز آگ میں پگھلائی جاتی ہے تو کف اوپر آجاتا ہے۔ بھاگوں کے نیچے اصل جوہر سونا چاندی یا پیتل وغیرہ ہوتا ہے، لیکن بھاگوں کا یہ عروج اور بلندی دیر پا نہیں ہوتی۔ تھوڑی دیر میں کف غائب ہو جاتا ہے اور اصل جوہر نظروں کے سامنے آجاتا ہے۔ حق و باطل کی بھی یہی صورت ہوتی ہے۔ چند روز کے لئے باطل کو عروج ہوتا دکھائی دیتا ہے، لیکن انجام کار اس کی ہستی مٹ جاتی ہے اور خلق کو دوامی غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔

شیخ امام نے ان آیات کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اہل باطل اور منافقوں کی حالت بیان کرنے کے لئے سورۂ بقر کے آغاز میں خدا تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی تھیں۔ ایک آبی دوسری آتشی۔ فرمایا تھا مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا الخ پھر اس سے آگے فرمایا۔ أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَاءِ الخ اسی طرح کافروں کی حالت کی وضاحت کے لئے سورۂ نور میں دو مثالیں بیان کی تھیں آتشی اور آبی۔ فرمایا تھا وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ الخ پھر اس سے آگے فرمایا تھا أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ الخ سورۂ رعد کی مذکورہ بالا آیات میں بھی خدا تعالیٰ نے حق و باطل کی توضیح کے لئے دو مثالیں بیان فرمائی تھیں ایک آبی اور دوسری آتشی۔ یہ قرآن کی عجیب بلاغت ہے۔ کہ باوجود اختلاف مواقع کے اور باوجود طرز ادا کی نیرنگی کے اثبات مدعا میں یک رنگی رہتی ہے۔

مقصود بیان

نہایت بلند آہنگی اور یقینی محسوس دلائل سے توحید اور الوہیت کا اثبات۔ اس امر کی صراحت کہ کل دنیا اللہ کے زیر حکم ہے۔ کوئی بالارادہ اطاعت کرتا ہے کوئی بلا ارادہ اپنی فطرت کے لحاظ سے۔ کیونکہ مخلوق اپنے ارادہ کو بدل سکتی ہے اپنی فطرت کو نہیں بدل سکتی۔ پس عقل مند ہیں وہ لوگ جو اپنے ارادے کو فرماں پذیر بنائیں ورنہ بیچارل اطاعت تو تمام مخلوق ہی کرتی ہے۔ استحقاق الوہیت کے عام ضابطہ کا بیان کہ جو خالق مربی اور نفع نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہو وہی معبود و آلہ ہونے کا مستحق ہے اَعْمٰی اور بَصِیْر کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ مومن بصیر ہے اُس کی بصارت عقل فطرت کے رُخ کو دیکھتی ہے اور کافر بنیا ہے اس کو فطرت کا رُخ دکھائی نہیں دیتا۔ وہ حکم الٰہی کی فطری اطاعت تو کرتا ہے۔ کارخانۂ قدرت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اپنی مادی عقل اور جسمانی قویٰ کے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ ملہ یہ فطری اطاعت اُس کی سمجھ میں نہیں آسکتی اس لئے وہ اپنے ارادہ اور اختیار سے اللہ کے حکم کا مطیع نہیں بنتا۔ تاریکی اور

toobaafoundation.com

نور کے لفظ سے بھی اس جانب ایما رہے کہ اللہ کا انکار کرنا اور اس کے حکم سے سرتابی کرنی تاریکی ہے۔ ایسے کافر کا نور فطرت افسردہ ہو جاتا ہے اور اہل ایمان اطاعت شعار بندہ کی روح روشن، دل منور، دماغ جلا یاب ہوتا ہے۔ حق کی روشنی اور فطرت کی چمک اس کو گنگنا دیتی ہے۔

آخری مثالوں میں اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ ناحق اور کفر کا اگرچہ عارضی چند روزہ تسلط ہو جائے اور غالب بھی آجائے تو اہل ایمان کو اس سے شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے۔ تھوڑی مدت میں وہ جھاگوں کی طرح بیٹھ جائے گا اور حق نمایاں ہو کر رہے گا اور پھر حق کا ظہور دیر پا ہوگا وغیرہ۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ ۚ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا

جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا اُن کے لئے بہتری ہے اور جن لوگوں نے حکم نہ مانا اُن کے پاس اگر زمین کی تمام چیزیں بلکہ

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ

اتنی ہی اور ہوں گی تب بھی وہ دے کر چھوٹنا چاہیں گے انہی لوگوں کے لئے حساب کی سختی ہے

وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ع

اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُری جگہ ہے

تفسیر ان آیات میں قرآن و پیام ہدایت کو ماننے والوں کے اور نہ ماننے والوں کے نتائج بیان فرمائے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوتِ رب کو بر غبت و شوق قبول کیا یعنی غیر اللہ سے منہ موڑ کر اللہ کے ہو رہے۔ اُن کے لئے بہتری ہی بہتری ہے۔ (حسنیٰ کی تفسیر ابن عباسؓ نے جنت سے کی ہے یہی قول جمہور مفسرین کا ہے) اور جن لوگوں نے دعوتِ حق کو قبول نہ کیا یعنی رسول پاکؐ کو نہ مانا اور قرآن کی صداقت سے انکار کیا اور عقائد اسلامیہ کی تکذیب کی تو ان لوگوں کا نتیجہ بہت بُرا ہوگا۔ موت کے بعد یا علامات موت ظاہر ہونے کے وقت جب اُن کو عذاب آخرت نظر آئے گا تو اس وقت وہ دل سے خواستگار ہوں گے کہ اگر روئے زمین کی کل دولت سے دوگنی دولت اُن کے پاس ہو اور کل سرمایہ دینے کے بعد اُن کی جان عذاب سے چھوٹ سکے تو وہ اس میں دریغ نہ کریں۔ اس کے بعد حساب کا وقت آئے گا تو ان سے اعمال کی باز پرس بھی بہت سخت ہوگی۔ کوئی صغیرہ گناہ بھی درگزر نہ کی جائے گی۔ اُس کے بعد عذاب جہنم میں اُن کو گرفتار کیا جائے گا اور اُن کے اعمال کی سزا اُن کو پوری پوری دی جائے گی وغیرہ۔

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ أَعْمَىٰ ۚ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ

بھلا جو شخص یقین رکھتا ہے کہ جو کچھ تمہارے اوپر تمہارے رب کی طرف سے اُتارا گیا وہ حق ہے کیا اُس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو نابینا ہے بس

أُولُو الْأَلْبَابِ ۝ الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ ۝

نصیحت تو عقل والے ہی قبول کرتے ہیں جو کہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو نہیں توڑتے

toobaafoundation.com

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ

اور جس چیز کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اُس کو جوڑتے ہیں اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی سختی

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

کا خوف رکھتے ہیں اور اپنے رب کی خوشنودی کے لئے صبر کرتے ہیں اور باقاعدہ نماز پڑھتے ہیں اور

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

ہمارے دیئے ہوئے کو پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں اور بھلائی سے برائی کو دفع کرتے ہیں انہی لوگوں کا

عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ

انجام بخیر ہے ان کے لئے دوامی جنتیں ہیں جن کے اندر وہ اور اُن کے باپ دادوں بیویوں اور اولاد میں سے جو لائق

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا

ہونگے وہ داخل ہوں گے اور ہر دروازے سے فرشتے اُن کے پاس آکر کہیں گے تمہارے صبر کے صلہ میں تم پر سلامتی

صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ

ہو پس یہ پچھلا گھر خوب ہے اور جو لوگ قول قرار پختہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرتے

مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى

ہیں اور جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے

الْاَرْضِ ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ۝

ہیں اُنہی پر پھٹکار ہوگی اور اُن کے لئے بُرا گھر ہے

تفسیر ان آیات میں نیکوں اور بدوں کی تفصیل فرما کر ہر ایک کا انجام ظاہر فرمایا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ سے اَعْمٰى تک یعنی یہ پوری آیت حمزہ اور ابوجہل کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ حمزہ بن عبدالمطلب کو بینا اہل علم اور صاحب یقین فرمایا اور ابوجہل کو نابینا کور بصیرت قرار دیا۔ مفسر خازن نے کہا کہ سبب نزول اگرچہ خاص ہو مگر آیت کے معنی عام ہیں۔

مذکورہ آیات میں اہل بصیرت کے چند اوصاف ذکر فرمائے ہیں۔ ہم ہر ایک کی جدا جدا تفصیل کرتے ہیں۔

(۱) اللہ کے عہد کو پورا کرنا یعنی اللہ کی الوہیت و ربوبیت کا جو اقرار کیا۔ انبیاء اور کتب سماویہ کی جو تصدیق کی اور قانون الٰہی کی پابندی کا جو معاہدہ کیا اُس کی خلاف ورزی نہ کرنا۔ (۲) پیمان کو نہ توڑنا یعنی اطاعت و فرماں پذیری کا جو پیمان اللہ سے کیا یا کوئی نذر مانی یا کسی کار خیر

toobaafoundation.com

کرنے کی قسم کھائی یا مخلوق میں سے کسی کے ساتھ کوئی غیر ممنوع وعدہ کیا اُس کو پورا کرنا (عہد و میثاق کی پابندی کا تذکرہ قرآن میں بیس مقام پر آیا ہے قتادہ) (۳) جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو جوڑنا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک اس سے مراد کنبہ پروری اور قرابت داری کی نگہداشت ہے۔ صلۂ رحم کی شریعت اسلامیہ میں انتہائی تاکید کی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے عام میل مراد لیا ہے۔ یعنی جن لوگوں سے اللہ نے میل رکھنے کا حکم دیا اُن سے میل رکھنا۔ امن عام، اصلاح خلق، حُسن سلوک سب چیزیں اس میں داخل ہیں۔ (۴) اللہ سے ڈرنا، اعمال اچھے ہوں یا بُرے، بہرحال خوفِ خدا کرنا یعنی اپنے کل اقوال و اعمال کو احصائے الٰہی کے مقابلے میں ہیچ سمجھنا اور اس بات کا ہر وقت خیال رکھنا کہ ہماری کوشش رائیگاں نہ جائے اور ہم غضبِ الٰہی میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ جب اللہ کا خوف ہر وقت پیشِ نظر رہتا ہے تو گناہوں کی جرأت ہی نہیں ہوتی۔ (۵) حساب کی سختی کا اندیشہ رکھنا یعنی اپنے نفس سے ہر وقت محاسبہ کرنا کہ کتنی نیکیاں اور کتنی بدیاں سرزد ہوئیں۔ حساب اگرچہ ذرہ ذرہ کا ہوگا اور کوئی شخص بلا محاسبہ نہیں بچ سکتا، لیکن بعض کے حساب میں آسانی کی جائے گی زیادہ موشگافی نہ کی جائے گی اور بعض کے حساب میں سختی ہوگی۔ ادنیٰ فعل سے بھی چشم پوشی نہ کی جائے گی۔ سُوْءَ الْحِسَاب کی آخری شق ہے۔ (۶) اللہ کی رضا جوئی کیلئے ہر تکلیف و مصیبت پر صبر کرنا، اُن ممنوعات سے نفس کو روکنا جن کی خواہش ہوتی ہو۔ اوامر کی پابندی رکھنی، حکمِ الٰہی کی تعمیل میں کتنی ہی کلفت ہوتی ہو اُس کو برداشت کرنا، لیکن یہ سب کچھ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرنا۔ مال و دولت، عزت و حکومت اور شہرت کے خیال کو تحمل مصائب کے وقت دل سے نکال دینا۔ (۷) ٹھیک وقت پر پابندی کے ساتھ نماز ادا کرنا، سستی، ریاکاری کو دخل نہ دینا۔ (۸) صدقات، خیرات، زکوٰۃ غرض حقوقِ مالی ادا کرنا خواہ علی الاعلان ہو یا در پردہ چُپ کر خفیہ ہو یا اعلانیہ (۹) بدی کے عوض نیکی کرنا اور دشمنوں کی ایذا پر صبر کرنا۔

اہلِ دانش کے یہ خصوصی اوصاف ہیں جو علمی و عملی تمام خوبیوں کو جامع ہیں۔ ان کے خلاف جو لوگ بے وقوف اور کور دانش ہیں ان کے اندر مندرجہ ذیل خصوصیات ہوتی ہیں:۔

عہدِ الٰہی کو توڑنا، قرابت، رشتہ داری، دوستی کا لحاظ نہ کرنا اور ہر قسم کے قول قرار کو توڑنا اور امن عام کو تباہ کرنا، ملک میں فساد مچانا، مخلوق پر ظلم کرنا، اللہ اور بندوں کے حقوق ادا نہ کرنا۔

اوّل الذکر طبقہ کا نتیجہ اخروی عیش و آرام ہے اور مؤخر الذکر گروہ رحمتِ الٰہی سے دور رہے گا اور مآلِ کار عذاب میں گرفتار ہوگا۔

مقصود بیان اہلِ ایمان بینا اور کافر نابینا ہیں۔ عقلمند وہی ہے جس کے اندر مذکورہ اوصاف ہوں۔ آیات میں وفائے عہد، کنبہ پروری، شدائد و مصائب پر صبر اور مالی صدقات و خیرات کی بلیغ ترین تعلیم دی گئی ہے۔ اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ مصائب کی برداشت اور تکالیف پر صبر اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جائے دنیوی غرض شامل نہ ہو۔ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ صدقہ، زکوٰۃ، خیرات غرض ہر مالی صرف جو راہِ خدا میں کیا جائے کسی طرح کیا جائے خواہ کھلم کھلا علی الاعلان یا خفیہ اور در پردہ۔ بہرحال قابلِ مدح ہے۔ بدی کے عوض نیکی کرنے کی بھی پُر مغز الفاظ میں ہدایت کی گئی ہے جس اور سیئہ کے الفاظ ہر نیکی بدی کو شامل ہیں۔ اس میں ہر قسم کی معافی احسان اور ترک انتقام داخل ہے۔ مَنْ صَلَحَ الخ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ اہلِ جنت کے اصول و فروع اور بیویاں بھی اُن کے ساتھ جنت میں جائیں گی۔ بشرطیکہ ان میں جنت کے اندر جانے کی قابلیت ہوئی یعنی ایمان دار ہوئے اور ان کی حالت دخولِ جنت کے مناسب ہوئی۔ بِمَا صَبَرْتُمْ کی قید دلالت کر رہی ہے کہ نفس پر جائز دباؤ ڈال کر خواہشات سے روکنا اور مادی قوتوں کو شریعت کی اجازت کے مطابق مغلوب رکھنا اور خواہشات کو تعلیم اسلامی کے موافق ترک کرنا خوشنودیٔ خدا کا باعث، دخولِ جنت کا سبب اور جنت کے اندر اعزاز و احترام کا باعث ہے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ

اللہ جس کی روزی میں چاہتا ہے فراخی اور تنگی کرتا ہے اور لوگ دنیوی زندگی پر ریجھے ہوئے ہیں

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ع ۹

حالانکہ آخرت کے مقابلہ میں دنیوی زندگی بے حقیقت چیز ہے کافر کہتے ہیں اُس پیغمبر پر

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

کوئی کھلا معجزہ اس کے رب کی طرف سے کیوں نازل نہ کیا گیا؟ کہہ دو کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۝ۚ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ

اور جو اُس کی طرف رجوع ہوتا ہے اس کو اپنی طرف آنے کا راستہ بتا دیتا ہے جو لوگ وہی ہیں جو ایمان لائے ہیں اور یادِ الٰہی سے اُن کے دلوں کو

بِذِكْرِ اللّٰهِ ۭ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

اطمینان حاصل ہوتا ہے خوب سمجھ لو کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے جو لوگ مومن اور نیکوکار ہیں

الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ ۝

اُن کے لئے خوش حالی اور اچھا ٹھکانا ہے

تفسیر ابتدائے اسلام سے اب تک جب مسلمانوں اور کافروں کی حالت کا عمومی تناسب دیکھا جاتا ہے تو میزان میں کفار عموماً دولت مند اور مرفہ الحال نظر آتے ہیں اور مسلمان ہمیشہ تنگ دست، نادار اور دنیوی مصائب کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ مسلمانوں اور کافروں کی ظاہری حالت دیکھ کر عموماً غیر مسلم اور بعض مسلم بھی اس شبہ میں پڑ جاتے رہے ہیں کہ مسلمانوں پر بحیثیت مذہب خدا کی طرف سے ادبار ہے۔ خدا ان کے مذہب کو پسند نہیں کرتا۔ اگر خدا ان سے راضی ہوتا تو دنیا میں سب سے زیادہ مال دار یہی قوم ہوتی۔ اس کے علاوہ عموماً کفار علمبردارانِ اسلام کو مفلس اور اپنے نہ بھائی بندوں کو مال دار دیکھ کر پھولے نہیں سماتے اور غریب مسلمانوں کے سامنے اکڑتے ہیں خدا تعالیٰ ان آیات میں اس شبہ کا ازالہ فرماتا ہے کہ رزق کی کمی بیشی اور تنگی فراخی تو اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ خدا جس کو چاہتا ہے فراخ دست کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ دست بنا دیتا ہے، مگر (عاقبت نا اندیش) لوگ دنیوی زندگی (کے عیش و آرام) پر اکڑتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں اس دنیوی زندگی کی کوئی وقعت نہیں۔ یہ ایک حقیر اور ناقابلِ ترجیح متاع سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے اس کو معیارِ فضیلت نہیں قرار دیا۔ لہٰذا اس پر اکڑنا بے جا ہے۔ حضرت مستورد کی روایت میں ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا آخرت کے مقابلے میں دنیا کی بس اتنی حیثیت ہے جتنی سمندر کے مقابلے میں اُس اُنگلی کی نمی ہوتی ہے جو ڈبو کر نکالی گئی ہو (رواہ احمد و المسلم) دنیا اور متاعِ دنیا کے بے مقدار ہونے کے متعلق بکثرت صحیح احادیث وارد ہیں جن کا ذکر موجبِ طوالت ہے۔

مکہ کے معاند کافر یہ بھی کہا کرتے تھے کہ آخر اس کو کوئی محسوس نمایاں نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی جس سے ہمارے شکوک و شبہات زائل

toobaafoundation.com

ہوں اور ہم مسلمان ہوجائیں (اس کی تفصیل اسی سورت میں اوپر گزر چکی ہے) گویا کہ نزول کی نظر میں رسول پاکؐ کے جیسے معجزات خصوصاً زندہ قرآن جو باعتبارِ طرزِ بیان، عمرانی تمدن اور سوشل اصول کی جامعیت، الٰہیات کے نفیس مباحث کی تفصیل، گزشتہ اقوام کی تاریخ اور آئندہ واقعات کے اظہار کے اعتبار سے ہم معجزہ تھا کافی تھا۔ وہ ایسے نمایاں معجزات کے باوجود جاہلانہ معجزات کے طالب تھے اور طرح طرح کی فرمائشیں کرتے رہتے تھے، لیکن یہ فرمائشیں نمائشی اور معاندانہ ہوتی تھی طلبِ حق مقصود نہ تھیں، اس لئے ایسی خواہشات قبول نہ کی جاتی تھیں۔ کفار کے مذکورہ بالا ---- سوال کے جواب میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اطمینان اور ایمان کے لئے تو قرآن کافی ہے۔ جن لوگوں کو ایمان کی خواہش ہوتی ہے اور طلبِ حق جن کا شعار ہوتا ہے اُن کی ہدایت تو اس سے ہوجاتی ہے، لیکن جس کو اللہ گمراہ چھوڑنا چاہے اُس کو کوئی ہدایت کرے۔ یعنی جو لوگ ازلاً توفیقِ ایمان سے محروم ہیں اور معاندانہ رنگ میں آیاتِ الٰہی سے سرکشی کرتے ہیں اُن کی ہدایت نہیں ہوسکتی۔ اس سے آگے نیکوکار اہلِ ایمان نیک انجام بیان فرماتا ہے

مقصودِ بیان

دنیا کی کوئی چیز قابلِ افتخار اور معیارِ فضیلت نہیں نہ دولت، نہ حکومت نہ طاقت۔ ہدایت وگمراہی خدا کے اختیار میں ہے، لیکن قابلیت کے اختلاف کی وجہ سے خدا نے کسی کو گمراہ اور کسی کو راہ یاب کردیا ہے۔ جو لوگ اللہ کی طرف خلوص کے ساتھ رجوع کرتے ہیں اور اللہ کی یاد سے اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کو خدا ہدایت کرہی دیتا ہے۔ گویا ان آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ تقدیر اور حکمِ الٰہی پر الزام لگانا بیجا ہے۔ سب سے پہلے طلبِ صادق کی ضرورت ہے۔ جو بندہ یا بندہ جو خدا کی طرف دوڑتا ہے اللہ اس کی دستگیری کرتا ہے اور گم کردہ راہ نہیں چھوڑتا۔ ذکرِ الٰہی سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے وغیرہ۔

ایک خاص نکتہ

امام غزالی نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ قلب کی غذا یادِ الٰہی ہے ورنہ دل تاریک اور مردہ ہوجاتا ہے اللہ کو یاد کرنے سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے۔ آدمی جب اللہ کو خلوصِ قلب کے ساتھ یاد کرتا ہے اور اس کے تمام جمالی وکمالی اوصاف پر غور کرتا ہے اور صفاتِ توحید کا یقین کرتا ہے تو لامحالہ سکونِ خاطر ہوتا ہے۔ مفسر سراج نے لکھا ہے کہ یہاں ارشاد فرمایا کہ یادِ خدا سے دلوں میں اطمینان پیدا ہوتا ہے اور سورۂ انفال میں فرمایا کہ مومن وہ لوگ ہیں جن کے دل یادِ الٰہی کے وقت خوف زدہ ہوجاتے ہیں۔ گویا یادِ الٰہی اطمینان اور خوف دونوں کا سبب ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی اللہ کے عذاب اور قہر کو یاد کرتا ہے تو اس کا دل خوف زدہ ہوجاتا ہے اور جب اس کی رحمت وشفقت کو یاد کرتا ہے تو دل میں سکون حاصل ہوتا ہے۔ میرے نزدیک کسی تاویل کی ضرورت ہی نہیں کیوں کہ رحمت کی اُمید اور قہر کا خوف اسی بنا پر کہا گیا ہے۔ اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ۔

یہ امر سمجھ لینا ضروری ہے کہ ذکرِ الٰہی کی دو قسمیں ہیں ظاہری اور باطنی۔ ظاہری ذکر زبان سے بھی ہوتا ہے اور کانوں سے بھی۔ دوسرے سے سُن کر بھی زبان وگوش کے ذکر سے دل کو طمانیت ضرور حاصل ہوتی ہے بشرطیکہ لفظی ترتیب وتوحید ہو باطنی ذکر تو اس کی دو قسمیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اللہ کے انعامات پر غور کیا جائے، مصنوعات اور مخلوقات پر نظرِ فکر ڈالی جائے اور دماغ کے اس عمل سے دل کے اندر اللہ کی عظمت وجلالت سما جائے۔ دوئم یہ کہ قلب کا اپنا کوئی فعل نہ ہو بلکہ محض عالمِ غیب سے مخصوص تجلیات کا ظہور بطورِ کشف ہوجائے، یہی خالص طمانیت ہے

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ

اسی طرح ہم نے تم کو ایسی امت میں بھیجا ہے جن سے پہلے بہت سی اُمتیں گزر چکی ہیں تاکہ تم اُن کو وہ قرآن پڑھ کر سنا دو جو بذریعہ وحی

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

ہم نے تمہارے پاس بھیجا ہے اور رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرا رب ہے اُس کے سوا کوئی معبود نہیں

toobaafoundation.com

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝

اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف میرا رجوع ہے

تفسیر ابوجہل نے سنا کہ رسول اللہؐ ان الفاظ میں دعا کرتے ہیں یا اللہُ یا رحمٰنُ تو اپنے ہم خیال لوگوں سے جا کر اس نے کہا کہ محمد اللہ کو پکارتا ہے مگر اللہ کے ساتھ ایک اور معبود کا بھی نام لیتا ہے۔ ہمیں تو رحمان الیمامہ کے علاوہ کسی اور رحمٰن کا نام معلوم نہیں۔ یعنی رحمٰن الیمامہ جو مسیلمہ (کذاب) کا خطاب ہے۔ مگر وہ معبود نہیں۔ پھر یہ رحمٰن جس کو محمد پکارتے ہیں کون ہے؟ (معالم) ابن عباس کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی نعمتوں اور رحمتوں کو قریش کے سامنے بیان کیا اور حکم فرمایا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو انھوں نے انکار اور اظہار نفرت کیا اور بولے رحمٰن کیا چیز ہے؟ قتادہ نے بیان کیا کہ معاہدۂ حدیبیہ کے لئے قریش کی طرف سے سہیل بن عمرو نمائندہ بن کر آیا اور صلح کی مجلس منعقد ہوئی۔ حضورِ اقدسؐ نے حضرت علیؓ کو صلح نامہ لکھنے پر مامور فرمایا۔ آپ نے لکھنا شروع کیا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہیل نے کہا ہم تو سوائے یمامہ والے کے دوسرے کو رحمٰن نہیں جانتے۔ تم ہمارے دستور کے موافق بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھو (بخاری) اسی طرح کے چند واقعات ان آیات کے اسباب نزول ہیں۔ اگرچہ قتادہ نے مؤخر الذکر حصہ کو کئی شان نزول قرار دیا ہے۔

گزشتہ آیات میں کفار کے معجزہ طلب کرنے کا ذکر کر کے جواب دیا تھا کہ معجزہ دیکھنے کے بعد بھی ازلی گمراہ ہدایت یاب نہیں ہو سکتے۔ جو لوگ خدا کی طرف رجوع کرتے ہیں ان کو ظاہری معجزہ کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔ اُن کے لئے باطنی معجزات ہر وقت موجود ہیں۔ طلب معجزہ کا دوسرا جواب ان آیات میں دیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ کچھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی دنیا میں نئے نبی نہیں آئے جو بات بات پر ظاہری معجزات کی طلب کی جاتی ہے۔ سلسلۂ انبیاء پہلے ہی سے جاری ہے تو کیا منکروں کے کہنے سے ہر وقت وہ ظاہری معجزات دکھایا کرتے تھے۔ معجزہ کا ظہور کبھی کبھی بوقت ضرورت ہو جاتا ہے ورنہ اصل مقصود تو پیغام الٰہی کا پہنچا دینا ہے۔ اللہ کی طرف سے ہدایت کا پیغام آنا ہی عظیم الشان نعمت ہے، مگر یہ کفار رحمٰن کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کو رحمٰن نہیں مانتے۔ حالانکہ رحمٰن ہی درحقیقت پروردگارِ عالم ہے۔ اسی جہان کی تربیت اُسی کے دستِ قدرت میں ہے زندگی کے کل کاروبار میں اسی پر بھروسہ رکھنا لازم ہے اور یہ بھی یقین رکھنا ضروری ہے کہ آخر کار رب کی بازگشت اور واپسی بھی اُسی کے پاس ہوگی۔

خلاصۂ بیان یہ نکلا کہ اللہ نے گزشتہ اقوام کی ہدایت اور انجام کی سعادت اور رب کی معرفت اور تزکیۂ نفوس کے قواعد سکھانے کے لئے بھی انبیاء بھیجے اسی طرح ان لوگوں کے نفوس کی تکمیل کے لئے تم کو مامور کیا اور قرآن نازل فرمایا۔ مگر ان کی کوربا طنی کی یہ حالت ہے کہ وہ رسول کی بعثت اور قرآن کے نزول کو اللہ ہی کی رحمت نہیں جانتے بلکہ اللہ کو رحمٰن ہی نہیں مانتے۔ بہرحال وہ مانیں یا نہ مانیں تم کو کہہ دینا چاہیئے کہ زندگی اور مابعد زندگی کے کل امور اُسی ذات کے ہاتھ میں ہیں جس کو میں رحمٰن کہتا ہوں۔

نوٹ :- بیضاوی، سراج، معالم اور جلالین میں كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جس طرح ہم نے تم سے پہلے تمہاری پیدائش کی بشارت دینے والے اور تمہارے احوال کی اطلاع دینے والے پیغمبروں کو بھیجا تھا اُسی بشارت اور اطلاعِ احوال کے موافق تم کو نبی بنا کر بھیجا۔ میرے نزدیک یہ مطلب ظاہر آیت کے خلاف ہے۔

مقصودِ بیان رسول پاک کی بعثت کوئی نئی نہ تھی۔ گزشتہ اقوام کی ہدایت کے لئے خدا نے اور انبیاء بھی مبعوث فرمائے تھے، بعثت رسول کی غرض تبلیغ قرآن ہے بلکہ وہ تمام احکام جو وحی جلی یا خفی کے ذریعہ سے رسول پاک کے پاس پہنچے ہوں، اُن سب کو پڑھ کر سنانا اور قوم کے پاس پہنچانا نبی کا فرض ہے۔ خدا تعالیٰ کے اسمائے صفات میں لفظ رحمٰن کا اطلاق شرعی اسلامی ایجاد ہے۔ اہل عرب اللہ کو رحمٰن نہیں کہا کرتے تھے۔ آخری آیت رمز کے طور پر ایک مخصوص تعلیم یہ دے رہی ہے کہ اقرارِ الوہیت سے اقرارِ ربوبیت مقدم ہے۔ اللہ

toobaafoundation.com

کی ربوبیت سے اس کی الوہیت کی طرف ترقی ہوتی ہے۔ گویا پہلے نظامِ عالم کی درستگی، احتیاج، حدوث، باضابطہ تغیرات اور کون و فساد کے سلسلے پر نظر ڈالنی چاہیے اور جب تمام کائنات کی علتِ اعلیٰ ذات واجب الوجود قرار پا جائے اور یہ یقین ہو جائے کہ تمام عالم کے ایجاد و بقا کی لگام ایک ذات کے ہاتھ میں ہے تو پھر اس کی الوہیت و توحید کا اقرار کیا جائے۔ ایک لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صفات کا درجہ ذات سے ہمارے لئے مقدم ہے۔ اللہ کے صفات کو تو ہم فی الجملہ سمجھ سکتے ہیں، مگر حقیقت اور ذات ہمارے احاطہ اور ادراک سے خارج ہے پھر صفات میں بھی صفاتِ فعلیہ کا مرتبہ صفاتِ ذاتیہ کی بہ نسبت ہمارے لئے مقدم ہے۔ اللہ کی صفاتِ فعلیہ کا جو علم ہم کو ہو سکتا ہے وہ صفاتِ ذاتیہ کا نہیں ہو سکتا۔ پھر صفاتِ فعلیہ میں سے بھی ان صفات کا علم زیادہ ہو سکتا ہے جو اضافیہ ہیں یعنی جو منفعل متاثر اور مفعول کو چاہتی ہیں مثلاً صفتِ خلق کے لئے کوئی مخلوق اور صفتِ ربوبیت کے لئے کوئی مربوب ہونا چاہیئے۔ اس تقریر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہلِ بصیرت پر لازم ہے کہ پہلے اللہ کی صفاتِ نسبیہ اضافیہ پر غور کریں۔ صنعتِ خلق، تربیت اور کائنات میں اللہ کو جو تغیر کرتا رہتا ہے اس کو گہری نظر سے دیکھیں ان اضافی صفات پر غور کرنے کے بعد غیر اضافی صفات کا علم ہو جائے گا۔ پھر ان صفات کو جاننے سے ذاتی صفات مثلاً وجود علم اور حیات و توحید کا انکشاف ہوگا پھر درجاتِ علم کا یہاں اختتام ہو جائے گا اور اجمالاً اعتراف کرنا پڑے گا کہ انجامِ کار سب کو اپنے مرکز کی طرف لوٹنا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ

اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ اس سے پہاڑوں میں رفتار پیدا ہوتی یا اس سے زمین کاٹ دی جاتی یا اس کے ذریعہ سے مُردوں سے بات چیت

الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ

کی جاتی (اب بھی یہ ایمان نہ لاتے) بات یہ ہے کہ سب کام اللہ کے ہاتھ ہے کیا پھر بھی مسلمانوں کی اس بات سے دلجمعی نہیں ہوتی کہ اگر خدا چاہتا تو سب

اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ

لوگوں کو ہدایت کر دیتا اور کافروں کو اُن کے کئے پر ہمیشہ مصیبت پہنچتی رہے گی یا وہ

اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ؑ ع ٥ ١٠

مصیبت اُن کے گھروں کے قریب ہی نازل ہوگی۔ یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آپہنچے گا بلاشبہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا

تفسیر طلبِ معجزات کا یہ تیسرا جواب ہے۔ کفارِ مکہ نے حضور اقدس ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اگر تم ہم کو مسلمان بنانا چاہتے ہو تو اپنے قرآن کے ذریعہ سے مکہ کے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دو اور دور کر دو تاکہ ہماری کھیتی باڑی اور باغ پھلواری کے لئے زمین کشادہ نکل آئے یا ہوا کو مسخر کر دو کہ ہم بآسانی زمین کی مسافت طے کر سکیں اور ملک شام میں جا کر تجارت کریں۔ یا ہمارے بزرگوں یعنی قصی بن کلاب کو زندہ کر دو کہ ہم ان سے بات چیت کر کے تمہارا نبی ہونا معلوم کر لیں۔ ان تمام مہمل سوالات کا جواب ان آیات میں ہے۔

ابن کثیر کے نزدیک قرآن سے مراد دوسری آسمانی کتابیں ہیں، لیکن امام مفسرین کے نزدیک یہی قرآن مراد ہے۔ اول قول پر مطلب یہ ہوگا کہ اگر گذشتہ آسمانی کتابوں میں سے کسی کتاب کے ذریعہ پہاڑوں کو اُن کی جگہ سے ہٹایا گیا ہوتا تو زمین کو چیر کر نہریں نکالی گئی ہوتیں یا مسافت طے کرائی گئی ہوتی یا مُردوں کو زندہ کرایا گیا ہوتا تو اس قرآن سے بدرجۂ اولیٰ یہ کام سرانجام دیئے جاتے۔ خدا عاجز نہیں سب کچھ کر سکتا ہے۔ دوسرے قول کے بموجب مطلب یہ ہوگا کہ اگر کفارِ مکہ کی حسبِ خواہش ایسے معجزات ظاہر بھی کر دیئے جائیں تب بھی کیا فائدہ۔ نفس کی تاریکی دور

toobaafoundation.com

ہونے، عقل کی آنکھیں روشن ہونے اور روح میں نورِ معرفت پیدا ہونے کے لئے تو ہر معجزہ سے بڑھ کر قرآن موجود ہے۔ جب قرآن سے اس کے نزول پر کوئی اثر نہ ہوا تو دوسرے معجزوں سے کیا ہو سکتا ہے۔ بات یہ ہے کہ ہدایت و گمراہی سب اللہ کے دست قدرت میں ہے۔ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو راہ راست پر لے آتا، لیکن اس کی حکمت اس کی مقتضی نہیں ہے۔ ابن کثیرؒ کے قول کی تائید قتادہ کے قول سے ہوتی ہے اور عام مفسرین کے قول کے ثبوت میں ابو سعید خدریؓ، ابن عباسؓ اور شعبی وغیرہم کے اقوال ہیں۔

اور کہیں بیٹھے کافروں کو ذلت و نکبت، مصیبت، فنا اور عذاب قیامت کی بھی دھمکی ہے۔ آیت لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی تفسیر میں علماء کا کچھ تھوڑا سا اختلاف ہے۔ خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ کافروں پر آئندہ کوئی نہ کوئی بلا اور مصیبت پڑتی رہے گی جو ان کے لئے باعث عبرت ہوگی اور یا آخر وعدہ الٰہی آجائے گا یعنی مکہ فتح ہوگا۔ وعدہ الٰہی سے مراد اکثر صحابہ و تابعین کے نزدیک فتح مکہ ہے اور حسن بصری کے نزدیک قیامت مراد ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر مسلمانوں کے گروہ ان اطراف مکہ میں جہاد کے لئے روانہ فرماتے رہتے تھے جو چاروں طرف حملہ کرتے تھے اور اہل مکہ کی عبرت کا سبب بنتے تھے۔ بالآخر ایک دن مکہ پر چڑھائی کا وقت آیا اور مکہ فتح ہو گیا۔

مقصود بیان آیت وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا الخ پر لطف دلالت کر رہی ہے اس مقصود پر کہ قرآن کا کام راہ راست بتانا، ظلم اور جور کی بیخ کنی کرنا، عدل کے قوانین پیش کرنا، روحوں کو روشن کرنا، دلوں کی تاریکی دور کرنا، اللہ اور مخلوق کے فرائض کو تفصیل کے ساتھ بیان، سوشل اور تمدنی اور نفسانی اصلاح کرنا ہے۔ پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا، اُن کی جگہ سے ہٹا کر زمین کشادہ کرنا یا قبروں سے مردوں کو اکھاڑنا اس کا کام نہیں۔ قرآن خزانۂ علوم ہے، کنز معارف ہے، مجموعۂ قوانین ہے، سرچشمۂ ہدایت ہے۔ مسمریزم کی کتاب یا جادو کا دفتر نہیں۔ جب کور بصیرت طبقہ کو قرآنی غرض کا ہی علم نہیں اور مقصد رسالت ہی کی طرف توجہ نہیں تو پھر ایسے بیہودہ سوالات پورے کرنے کے بعد ان کی ہدایت ناممکن ہے۔ آخری آیات میں آئندہ کے واقعات کی خبر بھی دے دی گئی۔ عنقریب مکہ اور اطراف مکہ فتح ہوگا۔ اس پیشین گوئی میں ایک خاص رمز اس طرف بھی ہے کہ دنیا میں دو قسم کے آدمی ہوتے ہیں عقل مند اور بے وقوف، سمجھ دار بصیرت والے اور متعصب جاہل۔ اہل بصیرت کے لئے تو قرآن سرچشمۂ صد ہدایت ہے۔ رسول پاکؐ کی شخصیت ان کے لئے صداقت مجسم ہے۔ لیکن کور فہم متعصب جاہل روحانی طاقت اور عقل کی روشنی اور قوا اور صفوا اللہ کے حق کے قائل نہیں ہوتے۔ ان کے لئے تو مادی طاقت کا تسلط، ظاہری شوکت و سلطنت اور غلبہ و حکومت کی ضرورت ہے۔ وہ حقانیت و صداقت کو دلائل کی روشنی میں نہیں دیکھتے بلکہ ظاہری جلال و شکوہ اور دنیوی عروج و غلبہ کو باعث صداقت جانتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے تلوار کی ضرورت ہوتی ہے جس سے عنقریب مسلمانوں کی تلوار بھی ان کے سروں پر آنے والی ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ قف

بہتیرے پیغمبروں کی تم سے پہلے بھی ہنسی اُڑائی جا چکی ہے چنانچہ کافروں کو ہم نے مہلت دی مگر پھر اُن کو دھر پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا

تو دیکھو پھر عذاب کیسا تھا بھلا جو ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہو (ان کو بے سزا دیئے چھوڑ دے گا) انھوں نے اللہ

لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ

کے شریک مقرر کر رکھے ہیں کہو کہ ان کے نام تو لو کیا تم اللہ کو وہ بات بتاتے ہو جس کو زمین میں رکھیں، وہ نہیں جانتا یا اوپری باتیں

toobaafoundation.com

مِنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ؕ وَمَنْ

بناتے ہو نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ کافروں کی فریب کاریاں اُن کے لئے آراستہ کردی گئی ہیں اور اُن کو راہِ راست سے روک دیا گیا ہے اور جس

يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۝ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ

شخص کو اللہ گمراہ چھوڑ دے تو اُس کا کوئی ہادی نہیں اُن کے لئے عذاب ہے دنیوی زندگانی میں بھی اور آخرت کا

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۝ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ

عذاب تو بہت ہی سخت ہے اور اُن کو اللہ سے کوئی بچانے والا نہیں جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے

الْمُتَّقُونَ ؕ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى

اُس کی صفت یہ ہے کہ اُس کے اندر نہریں بہتی ہوں گی اُس کے پھل اور سایہ لازوال ہوگا یہ پرہیزگاروں

الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَّعُقْبَى الْكٰفِرِينَ النَّارُ ۝

کا انجام ہوگا اور کافروں کا انجام آگ ہے

تفسیر جب آدمی کی عقل تاریک ہوجاتی ہے اور خالی حواس رہ جاتے ہیں تو وہ سمجھنے لگتا ہے کہ فہم و دانش نام فقط حواس کے احساس کا ہے۔ لہٰذا جن چیزوں کو وہ حواس سے سمجھ سکتا ہے اُن کا تو اقرار کرلیتا ہے اور جہاں تک حواس کی رسائی نہیں ہوتی اور ان کو سمجھنے کے لئے عقل کی ضرورت پڑتی ہے اُن کا وہ انکار کر دیتا ہے۔ کافروں کی عقل چونکہ تاریکی کے پردوں میں ہوتی ہے اور صرف حواس روشن ہوتے ہیں، اس لئے وہ امرِ آخرت، رسالت وحی اور دیگر غیبی امور کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ ان امور کا سمجھنا عقل کی روشنی پر موقوف ہے۔ اور چونکہ اللہ کی صنعتِ تخلیق اور ایجاد کی صفتیں مصنوعات و مخلوقات کے مشاہدہ سے ظاہر ہوجاتی ہیں اور مصنوعات کو ذریعہ حواس کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور کافروں کے حواس درست ہیں، اس لئے وہ ان اوصاف کا انکار نہیں کرتے، مگر اس میں بھی فی الجملہ خرابی واقع ہوجاتی ہے۔ کیونکہ ان کے پیشِ نظر دنیوی حکومت و انتظام کا سلسلہ ہوتا ہے۔ اس ظاہری سلسلے پر وہ کارخانۂ قدرت کے انتظام کو بھی قیاس کرتے ہیں اور جس طرح دنیوی بادشاہوں کے لئے وزراء، عمالِ حکومت اور ارکان ہوتے ہیں اور سب مل کر حکومت میں بادشاہ کے شریک ہوتے ہیں اسی طرح وہ اللہ کو بھی ایک بادشاہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں مانتے اسباب ظاہری کو موثر جانتے اور مختلف اولیاء، انبیاء، ملائک اور دیوتاؤں کو اللہ کا شریکِ حکومت اور عمال و کارکن کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان آیات میں کفار کے اس قیاس و شرکیہ آفریں رائے کی تردید کرتا اور رسول پاک صلعم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ

اے رسول! تم سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا ہے یعنی کافروں کے عقل کی تاریکی کی وجہ سے غیبی امور کا انکار کیا اور وحی و رسالت کا مذاق اڑایا ہے اُن کی نظر میں رسالت ایک مضحکہ انگیز چیز تھی۔ ان کے قیاس کی رسائی وحی خداوندی تک نہ تھی اور اللہ بھی اُن کو ڈھیل دیتا رہا۔ خوب ناز و نعمت اور عیش و نشاط کے دروازے ان پر کھول دیئے، مگر انجام کار ان کی گرفت ہوئی۔ اس کے بعد مخلوق کو خالق پر قیاس کرنے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ (۱) جو خدا ہر شخص کے اندرونی و بیرونی اعمال سے واقف ہو اس کو ناواقف

toobaafoundation.com

محتاج مطلق مخلوق پر قیاس کرنا کس طرح صحیح ہے ۔ (۲) اللہ کی حکومت والوہیت میں ایسے افراد کو شریک سمجھنا جن کے نام بھی نہیں معلوم جو واقفیت تو در کنار کس قدر غلط عقیدہ ہے ۔ نام لینے سے خود واضح ہو جائے گا کہ یہ نام یا تو جنوں کے ہیں اور ن فرضی ہیں یا اللہ کی مخلوق سے آدمیوں یا جنوں یا فرشتوں کے سمجھے اور ظاہر ہے کہ مخلوق خالق کے ساتھ الوہیت میں شریک نہیں ہو سکتی ۔ (۳) خدا کے ساتھ کسی کو شریک سمجھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان مشرکوں کا علم اللہ کے علم سے بھی زائد ہے کیونکہ اللہ کو کوئی اپنا شریک معلوم نہیں اور یہ لوگ شریک کا وجود ثابت کرتے ہیں تو گویا علم الٰہی سے بڑھ کر اپنی واقفیت ثابت کرتے ہیں اور یہ بات بالکل احمقانہ ہے کوئی سمجھ دار آدمی اس کو مان نہیں سکتا ۔ (۴) یا یوں کہنا چاہیئے کہ اللہ کا کوئی شریک تو ان کو بھی معلوم نہیں مگر (رسوم کی پیچ کرتے ہوئے) یہ اوپری باتیں بناتے ہیں تو اوپری باتیں بنانے سے شریک کا وجود ثابت نہیں ہو سکتا ۔ اس سے آگے مشرکوں کے شرک کی اصل وجہ بیان فرماتا ہے کہ بس بات صرف اتنی ہے کہ ان کی فریب کاری ان کی نظروں میں کھُب گئی ۔ یعنی غیر اللہ کی پرستش اور شرک اگرچہ ان کے لئے مفید اور نتیجہ خیز نہیں اور نہ اس کا کوئی عقلی ثبوت ہے ، مگر آبا و اجداد کی رسم ہے اور چونکہ اس کی ناشائستہ حرکات اور فاسد خیالات عادی ہیں ، پشت در پشت سے چلے آتے ہیں اور تمام برادری والے ان میں مبتلا ہیں ، اس لئے یہ لوگ ان کو چھوڑنا نہیں چاہتے بلکہ دوسروں کو بھی راہ حق سے روکتے ہیں ۔ گویا ہدایت و راہ یابی ان کی قسمت میں ہی نہیں ہے اور جو چیز قسمت میں نہیں وہ کس طرح ان کو مل سکتی ہے ، اس لئے گمراہ ہیں اور گمراہ رہیں گے ۔ اس کا نتیجہ آخرت میں بھی ان کے لئے بُرا ہوگا اور دنیا میں بھی خراب ہو گئے آخرت کی سزا تو بہت ہی سخت ہے دنیوی سزا بھی ان کو طرح طرح سے ملیگی ۔ مثلاً قحط ، وبا ، گرانی ، گرفتاری ، بال بچوں کی تباہی ، شکستہ حالی پریشانی ، شیرازۂ قوم کی پراگندگی وغیرہ ۔ اس سے آگے مطلب صاف ہے ۔

مقصودِ بیان

رسول پاک کو تسلی اور اس امر کی فی الجملہ صراحت کہ تاریک عقل والے چونکہ رسالت و وحی کی حقیقت نہیں سمجھ سکتے ، اس لئے لوگ ہمیشہ سے پیغمبروں کا مذاق اڑاتے آئے ہیں ۔ شرک فی الالوہیت کی مدلل بیخ کنی ، رسوم قبیحہ سے باز رہنے کی در پردہ اور مخصوص ہدایت اور اس امر کی طرف ایما کہ آدمی کو حق سے روکنے والی چیز درحقیقت آبا و اجداد کی کورانہ تقلید ہے اس بد ترین فعل کو آدمی یا قابل استحسان سمجھتا ہے اور گمراہ ہوتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی تقلید کے پُر فریب جال میں پھنسا کر عقل و بصیرت کی روشنی سے محروم کر دیتا ہے ۔ اس بات کی صراحت کہ جس کو اللہ گمراہ چھوڑ دیتا ہے اسکو کوئی راہ راست پر نہیں لا سکتا ۔ خواہ نبی ہو یا ولی یا کوئی اور ۔ آیت میں کافروں کو دنیوی عذاب کی بھی دھمکی دی گئی ہے کہ اگر رسولِ پاک سے یوں ہی سرکشی کرتے رہے تو دنیا میں بھی خراب خستہ ہو گے ۔ چنانچہ یہ پیشین گوئی بلاشبہ اکل پوری ہوئی ، حضور کی زندگی ہی میں بڑے بڑے سرداران کفر قتل ، خوار اور ذلیل ہوئے اور کچھ مدت کے بعد تو سرزمین عرب کفر کے نام سے بھی پاک ہو گئی ۔ آیت میں اس امر کی بھی صراحت ہے کہ جنت کے پھل اور وہاں کا سایہ ناقابل زوال اور لازوال ہے یعنی جنت کا عیب کوئی پھل توڑا جائے گا تو فوراً اس کی جگہ اسی قسم کا دوسرا پھل نمودار ہو جائے گا اور اس پھل کا دائمی سلسلہ قائم رہیگا ۔ سایہ بھی ہمیشہ رہے گا یعنی وہاں دھوپ نہ ہوگی کیونکہ دھوپ ہی تکلیف کی چیز ہے البتہ روشنی ہوگی اور جملہ حاجت کے سامان مہیا ہوں گے وغیرہ ۔

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس قرآن سے خوش ہوتے ہیں جو تم پر نازل کیا گیا ہے اور بعض گروہ بعض کا انکار

بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ

کرتے ہیں تم کہہ دو کہ مجھے یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت کروں اور اس کا شریک نہ بناؤں اُس کی طرف میں بُلاتا ہوں اور اسی کی

toobaafoundation.com

مَآبِ ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ

میرا رجوع ہے ۔ اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی میں خاص حکم (دے کر) اُتارا ۔ اب اگر حکم آ چکنے کے بعد بھی ۔ تم اُن کی ۔ خواہشات پر

مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ع

ع ۱۱ ۴

چلو گے ۔ تو اللہ سے نہ کوئی ۔ تمہارا ۔ حمایتی ہوگا ۔ نہ بچانے ۔ والا

تفسیر گزشتہ آیات میں شرک کی تردید اور توحید کا اثبات کیا تھا چونکہ اہل کتاب توحید کے قائل تھے اور آسمانی مذہب کا اپنے فرقے کو حامل سمجھتے تھے اور بنا بر قیامت اور حشر و نشر وغیرہ کا بھی اقرار کرتے تھے، اس لئے ان آیات میں اہل کتاب کے احوال ہی کا بیان کیا گیا۔

یہودیوں اور عیسائیوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن کا ایمان واقعی طور پر اپنی مذہبی کتابوں پر بھی تھا اور قرآن کو بھی وہ سچی آسمانی کتاب جانتے تھے اور اس کے کل احکام کو مانتے تھے۔ ان کی صحیح تعداد تو معلوم نہیں۔ یہودی گروہ میں سے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے اور عیسائیوں میں سے چالیس نجران کے آٹھ یمن کے اور بتیس حبش کے بیان کئے جاتے ہیں۔ یہ گروہ اہل ایمان کا تھا جن کو دوگنا ثواب ملنے کی حدیث میں صراحت موجود ہے، لیکن کتابی اہل ایمان کے خلاف اکثر لوگ ایسے تھے کہ رسالت و وحی کے طریقہ سے تو انکار نہ کرتے تھے۔ اپنی مذہبی کتابوں کو بھی مانتے تھے، مگر حضورؐ کی رسالت کے قائل نہ تھے اور ان کی مذہبی کتابوں میں حضور احمد ﷺ کے جو احوال مذکور تھے ان میں طرح طرح کی تحریفیں اور تبدیلیاں کرتے تھے اور قرآن نے جن احکام میں کتب سابقہ سے اختلاف کیا ہے ان کو بھی تسلیم نہ کرتے تھے۔ اس قسم کے مختلف گروہ تھے ایک پارٹی کعب بن اشرف کی تھی اور دوسری حسید کی، تیسری عاقب کی وغیرہ۔ ان دونوں گروہوں کے متعلق خدا تعالیٰ نے ان آیات میں تصریح فرمائی ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ فی الحقیقت اپنی آسمانی کتاب کو مانتے ہیں وہ تو نزول قرآن سے مسرور ہیں۔ قرآن کے ہر حکم پر ان کا ایمان ہے اور وہ ہر آیت کو سبب ہدایت جان کر خوش ہوتے ہیں، لیکن انہیں اہل کتاب میں سے کچھ لوگ قرآن کے بعض حصوں کو نہیں مانتے اور ان احکام کا انکار کرتے ہیں جو ان کی خواہش کے خلاف ہیں۔ تم ان کو سمجھا دو کہ توحید عدم شرک میں تو میں تم سے متفق ہوں۔ جس توحید کا تمہاری کتابوں میں حکم ہے اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے۔ رہے احکام تو زمانے کے اختلاف سے احوال مختلف ہوتے ہیں اور اختلاف احوال احکام کے اختلاف کا مقتضی ہے۔ اختلاف احوال کا ہی اقتضاء ہے کہ جہاں پہلی کتابیں سریانی اور عبرانی زبانوں میں اتاری گئیں ان کی بجائے قرآن خاص عربی میں نازل کیا گیا اور خاص احکام اتارے گئے۔ اس کے انکار کی مقتضی کوئی وجہ نہیں۔

مقصود بیان تمام آسمانی الہامی مذاہب توحید و عدم شرک کی تعلیم میں برابر ہیں۔ یہ بنیادی عقیدہ ہے جس کی ہدایت ہر آسمانی کتاب میں کی گئی ہے، مگر احکام جزئیہ ہر کتاب کے مختلف ہیں اور زبانیں بھی جدا جدا ہیں، اور اس اختلاف کی وجہ محض اختلاف احوال ہے۔ مذہب الٰہی انسانی خواہش کا تابع نہیں ہوتا نہ انسانی میلانِ خاطر سے اس میں تغیر کیا جا سکتا ہے۔ ان الفاظ سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے اُن جاہل علماء اور نا واقف مشائخ کو جنہوں نے دین کو لہو و لعب اور بازیچۂ اطفال قرار دے رکھا ہے جس طرح دل چاہتا ہے آیات و احادیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مقصود کے مطابق نتیجے نکالتے ہیں۔ دین میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا کرتے ہیں کہیں رقص و سرود کے جلسے ہیں اور ان کو ذریعۂ معرفت خیال کیا جاتا ہے کہیں حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا جاتا ہے اور اس کو کمال علمی کا مظاہرہ سمجھا جاتا ہے۔ (اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۭ وَمَا كَانَ

ہم نے تم سے پہلے بہتیرے رسول بھیجے تھے۔ اور ان کو بیویاں اور اولاد بھی دی تھیں اور کسی رسول کی طاقت

toobaafoundation.com

لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ○ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا

نہ تھی کہ بغیر حکم خدا کے کوئی معجزہ پیش کرسکتا ہر وعدہ کی لکھت ہے اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا

یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚۖ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ○

ہے اور (جو چاہتا ہے) برقرار رکھتا ہے اُسی کے پاس کتاب ہے

تفسیر عرب کے مشرک اور مکہ کے کافر حضور اقدس ﷺ کی نبوت پر طرح طرح شبہات کیا کرتے تھے جن میں سے ایک یہ تھا کہ جس کو اللہ تعالیٰ دنیا میں رسول بنا کر بھیجے اس کو فرشتوں کی مانند دنیا کی باتوں سے پاک ہو جانا چاہیئے (حقانی) بلکہ وہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ انسان پیغمبر ہو نا ہی نہ چاہیئے، فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجنا چاہیئے (ابن کثیر) یہ کیسے نبی ہیں جن کے بیوی بچے ہیں، کھاتے پیتے، دنیا کے کاروبار کرتے اور بازار سے خرید و فروخت کرتے ہیں پھر ایک بیوی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ متعدد بیویاں ہیں۔ (رسول پاک ﷺ کے تعدد ازواج پر آج کل کے آریہ بھی اعتراض کرتے ہیں) کافروں کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ آپ ہمارے کہنے کے مطابق معجزات کیوں نہیں دکھلاتے۔ آپ کیسے پیغمبر ہیں کہ اتنا اختیار بھی آپ کو نہیں ہے۔ ایک شبہ یہ بھی تھا کہ جس عذاب اخروی اور مصیبت دنیوی کی آپ ہم کو دھمکی دیتے ہیں اُن کو ابھی کیوں نہیں لاتے تاخیر کیوں ہے؟ ایک شبہ یہ بھی تھا کہ ہم کو جو کچھ تعلیم دے رہے ہیں کہ یہ حکم خدا کا ہے تو پھر کچھ زمانے کے بعد اس کو منسوخ کیوں کر دیتے ہو؟ پھر جب سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے تو ہم کو کوئی اختیار رہا نہیں جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔ ان تمام شبہات کا ترتیب وار جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ ابراہیم کے وقت سے اب تک مختلف انبیاء آدمی ہی تھے۔ سب عورت کے پیٹ سے پیدا ہوئے کھاتے پیتے بازاروں میں چلتے پھرتے اور خرید و فروخت کرتے تھے۔ کیا ان کے بیوی بچے نہ تھے، کیا ان کو بیوی بچوں سے رغبت نہ تھی۔ آدمی کا جوڑا ہونا مقتضائے بشریت ہی سے ہے اور انبیاء بھی بشر ہونے کے لحاظ سے مقتضائے بشریت سے پاک نہیں ہوتے۔ رہا فرمائشی معجزہ کا ظہور تو معجزات انبیاء کھیلنے اور مذاق اڑانے کے لئے نہیں ہوتے پیغمبروں کو اظہار معجزات کا کوئی ذاتی اختیار نہیں بلکہ درخواست معجزہ بھی ان کے اختیار سے خارج ہے۔ ہاں اللہ جب چاہتا ہے اپنے رسول مقبول کے ہاتھ پر معجزہ کا ظہور کرتا ہے اور جب اس کی مصلحت نہیں ہوتی معجزہ کا ظہور نہیں ہوتا۔ تمام واقعات لوح محفوظ میں درج ہیں اور ہر بات کا ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔ جلدی کرنے سے کوئی کام وقت سے پہلے نہیں ہوا کرتا۔ کیوں کہ دنیا میں ہر چھوٹے بڑے مطلب کا مقرر ہے کوئی سبب مخفی ہے کوئی ظاہر۔ پھر سبب کی تاثیر کا بھی ایک اندازہ ہے جس کو اثر کہتے ہیں۔ اگر سبب پیدا کرنے اور اس میں خاص اثر رکھنے سے خدا معطل نہیں ہوا بلکہ مختار ہے جب چاہے کسی کی دعا وغیرہ سے اس کی تاثیر اندازہ سے کم یا زیادہ کر دے اور جب چاہے اس کی تاثیر ویسی ہی رکھے۔ دیکھو آدمی کبھی کنکری کے مارنے سے مر جاتا ہے اور کبھی گولی کھا کر بچ رہتا ہے اور ہر چیز کا اندازہ اللہ کے علم میں ہے وہ ہرگز بدل نہیں سکتا۔ جو حکم خدا کی مرضی سے بدلتا رہتا ہے اُس کو تقدیر معلق کہتے ہیں جس حکم کے ناقابل تغیر ہونے کی صراحت ہو وہ تقدیر مبرم ہے۔ لہٰذا عذاب اور سزا کا بھی ایک وقت مقرر ہے وقت سے پہلے نہیں آسکتا اور ہر شریعت اور ہر حکم کا بھی ایک وقت مقرر ہے۔ وقت ہی کے موافق شرائع اور احکام نازل ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ مالک ہے۔ مصلحت وقت کے مناسب جس شریعت اور جس حکم کو چاہے منسوخ فرما دے اور جس کو چاہے برقرار رکھے۔ مدت، وقت، ترمیم اور تنسیخ سب کچھ لوح محفوظ میں موجود ہے اس سے علم الٰہی کا تغیر لازم نہیں آتا۔ بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ زمانے کے تغیرات اور ان تغیرات کے مطابق شرائع احکام کا تغیر علم الٰہی میں ہے۔

بعض صحابہ و تابعین سے مروی ہے کہ محو و اثبات میں ہر شے کے مٹانے اور باقی رکھنے کی طرف اشارہ ہے۔ یہاں تک کہ قبول دعا کے بعد

toobaafoundation.com

عمر میں کمی بیشی اور رزق میں زیادتی کمی اور سعادت وشقاوت کا تبادل بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کی عمر مقدر دس برس کی تھی خدا تعالیٰ اس کو بیس برس کی بھی کر دیتا ہے۔ کسی کی تقدیر میں رزق کم تھا اس کا رزق بڑھا دیتا ہے۔ کسی شخص کے مقدر میں شقی ہونا لکھا تھا، مگر وہ مومن صالح ہونے کے بعد سعید ہو جاتا ہے، لیکن یاد رہے کہ یہ تمام تبدیلیاں قضائے معلق میں ہو سکتی ہیں قضائے مبرم میں نہیں ہو سکتیں۔ یعنی انھیں چیزوں میں اور اسی وقت ہو سکتی ہیں جن کی تبدیلی کے متعلق لوح محفوظ یا علم الٰہی میں صراحت کر دی گئی ہو اور یہ لکھ دیا گیا ہو کہ فلاں شخص کی عمر رزق اس قدر ہے اور پھر وہ فلاں عمل کرے گا تو اس کی عمر رزق میں اس قدر اضافہ یا کمی کر دی جائے گی یا فلاں شخص شقی ہوگا، لیکن آخر وقت ایمان وعمل صالح کی وجہ سے سعید ہو جائے گا۔ گویا چیزوں کا محو واثبات بھی لوح محفوظ میں لکھا ہے۔ قضائے مبرم نہیں ٹلتی۔

میرے نزدیک اگرچہ آیت یَمْحُوا اللّٰہُ الخ عام ہے کسی خاص چیز کے محو واثبات کی اس میں صراحت نہیں، مگر سیاق آیات بتا رہا ہے کہ شرائع اور احکام کی ترمیم، تبدیل اور نسخ کی طرف اس سے خصوصی اشارہ ہے واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان

سلسلۂ انبیاء آغاز آفرینش آدم سے چلا آتا ہے۔ بہت سے انبیاء کے بیوی بچے تھے۔ لفظ ازواج دلالت کر رہا ہے کہ اقتضائے زوجیت علائق بشری میں سے ہے، شانِ نبوت کے منافی نہیں۔ آیت مَا کَانَ بتا رہی ہے کہ اظہار معجزہ کسی نبی کی اختیاری چیز نہیں۔ بغیر حکم الٰہی صدورِ معجزہ ناممکن ہے۔ اس سے یہ بات بھی ثابت کی جا سکتی ہے کہ جب اظہار معجزہ انبیاء کے اختیار میں نہیں تو اظہارِ کرامت بھی اولیاء کے اختیار سے خارج ہے۔ جب تک اذنِ الٰہی نہ ہو کسی ولی کی کرامت سرزد نہیں ہو سکتی۔ اسی آیت سے فرمائشی معجزات کے عدم صدور کی وجہ بھی ظاہر ہوتی ہے کہ خلافِ وقت کسی چیز کا ظہور نہیں ہوتا۔ ہر تقدیر حکم کا ایک وقت مقرر ہے تقدیر معلق میں ترمیم تنسیخ ہو سکتی ہے، مگر یہ ترمیم وتنسیخ بھی لوح محفوظ میں موجود ہے۔ نسخ شرائع کی اصل وجہ پر بھی اس سے روشنی پڑتی ہے۔

اہلِ بصیرت کے لیے چند نکات

انبیاء کو ازواج واولاد عطا کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں اُن کو دنیا کا کوئی شغل ادائے فرض سے مانع نہیں ہو سکتا۔ باوجود معاملاتِ دنیوی میں مشغول ہونے کے ایک ہی ذات سے ان لوگوں کو لو لگی رہتی ہے۔ وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ سے یہ مقصود ہے کہ اہلِ باطن اور مخلص مومن کوئی مجاہدہ وریاضت کشف وکرامت کے لئے نہ کریں۔ بغیر حکم الٰہی کسی ریاضت سے کرامت کا ظہور نہیں ہوتا۔ تمام امور مقدر ہیں۔ لِکُلِّ اَجَلٍ کِتٰبٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ برگزیدہ بندے مراتب ودرجات کو وقت سے پہلے نہیں پا سکتے۔ لہٰذا استقامت لازم ہے اور مایوسی کفر ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ

جو وعدہ ہم اُن سے کرتے ہیں اگر اُس کا کچھ حصہ تم کو دکھا دیں یا (بغیر دکھائے) تمہاری روح قبض کر لیں۔ بہرحال تمہارے ذمہ میں پیام پہنچا دینا ہے اور

عَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ

ہمارے ذمہ حساب ہے کیا یہ دیکھتے نہیں کہ ہم سب طرف زمین کو گھٹاتے چلے آتے ہیں

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ

اور اللہ حکم دیتا ہے اس کے حکم کو کوئی پیچھے ڈال نہیں سکتا وہ جلد حساب لینے والا ہے ان سے پہلے لوگ

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ

بھی فریب کر چکے ہیں مگر سب تدبیریں اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں ہر شخص جو کچھ کرتا ہے اللہ اس سے واقف ہے اور

toobaafoundation.com

سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا

کافروں کو عنقریب معلوم ہوجائے گا کہ انجام بخیر کس کا ہے کافر کہتے ہیں کہ تم پیغمبر نہیں ہو

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝ (ع)

تم کہہ دو کہ اللہ اور وہ لوگ جن کو کتاب کا علم ہے میرے تمہارے درمیان شہادت دینے کو کافی ہیں

تفسیر یہ آیات سابقہ کا تتمہ ہے ۔گزشتہ آیت میں فرمایا تھا کہ کسی رسول کو اظہار معجزہ اور نزولِ عذاب کا کوئی ذاتی اختیار نہیں۔ اللہ کی مشیت و اذن پر موقوف ہے اسی مضمون کی تائید میں ان آیات کا نزول ہوا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جس سزا اور عذاب و بربادی کفار کا وعدہ کیا گیا ہے وہ رسول کی زندگی میں ہوجائے یا اُن کی وفات کے بعد۔ بہر حال رسول کے مراتب میں نہ اوّل الذکر کی وجہ سے کوئی اضافہ ہوتا ہے نہ مؤخر الذکر کی وجہ سے کوئی کمی۔ رسول کا کام تو پیامِ الٰہی کو پہنچا دینا ہے ۔ ہدایت وعدہ وعید جو کچھ ہو اللہ کی طرف سے وہ پہنچانے والے ہیں۔ وعدہ وعید کو پورا کرنا ان کا کام نہیں نہ لوگوں کے ماننے نہ ماننے سے اُن کا تعلق ہے۔ حساب کرنا اور سرکشی کی صورت میں گرفت کرنا تو اللہ کا کام ہے ۔ اس کے بعد کافروں کی طرف روئے سخن فرماتا ہے کہ کیا ابھی کافروں کو اپنی بربادی میں کچھ شک ہے ؟ کیا ان کو دکھتا کہ سرزمین کفر ہر طرف سے کم ہوتی چلی آرہی ہے۔ چاروں طرف سے اسلام کو غلبہ ہو رہا ہے ،کفر کی طاقت ٹوٹ رہی ہے ۔ اللہ کا قطعی فیصلہ ہوچکا کہ کفر ملیا میٹ ہو کر رہے گا اور اسلام کو غلبہ حاصل ہوگا۔ اللہ کے حکم کو کوئی پلٹ نہیں سکتا رہی یہ بات کہ پھر تاخیر کیوں ہے ؟ تو یہ اللہ کی مخصوص مصلحت ہے ۔کفر کی تباہی کی تاخیر سے اہلِ کفر اللہ کے وعدہ کی تکذیب پر استدلال کرتے ہیں اور کرتے چلے آئے ۔ ہر حکمت و تدبیر کو اللہ خوب جانتا ہے ۔ اس تاخیر کے اندر بھی اس کی مصلحت مضمر ہے ۔نتیجۂ کفر عنقریب معلوم ہوجائے گا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جنگِ بدر میں جب کافروں کو شکست ہوئی اور بہت سے مشرکوں کی لاشیں قتل کئے جانے کے بعد کنوئیں میں پھینکی گئیں تو اختتامِ جنگ پر حضور گرامی ؐ نے لاشوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم سے جو ہمارے رب نے وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پالیا اور تم کو جو وعید دی گئی تھی کیا درحقیقت تم نے بھی اس کو پالیا ۔ اس حدیث کی بنا پر عُقْبَى الدَّار سے فتح و کامرانی بھی مراد ہو سکتی ہے ۔اگرچہ اکثر مفسرین نے نتیجۂ آخرت مراد لیا ہے ،مگر عموم اولیٰ ہے ۔اس سے آگے کفار کے انکار رسالت کو نقل کر کے فرماتا ہے کہ ثبوت رسالت کے لئے دو شہادتیں کافی ہیں ۔ اوّل تو اللہ کی شہادت قرآن پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں ۔ دوئم اہلِ کتاب کی شہادت ۔ اہلِ کتاب سے کون اشخاص مراد ہیں ؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے ۔ حضرت جندب کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضؓ کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا ، لیکن اس صورت میں یا تو اس آیت کو مدنی ماننا ہوگا یا یہ کہنا ہوگا کہ حضرت عبداللہ ہجرت سے قبل مسلمان ہوگئے تھے ۔ حدیث الاحبار میں صراحت ہے کہ ہجرت سے قبل حضرت عبداللہ رضؓ ایمان لا چکے تھے ۔ نیز دلائل النبوۃ میں امام ابونعیم اصفہانی نے یوسف بن عبداللہ بن سلام کی روایت بیان کی ہے کہ ایک روز میرے باپ نے علماء یہود سے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ اب کی مرتبہ اپنے دادا ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ کی مسجد یعنی کعبہ میں جا کر عید کروں ۔ چنانچہ حضرت عبداللہ مدینہ سے روانہ ہوکر مکہ پہنچے ۔ وہاں دیکھا کہ لوگ حج کر کے واپس ہو رہے ہیں اور جناب رسول اللہ ؐ کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں حضورؐ نے عبداللہ کو دیکھ کر فرمایا کیا تم عبداللہ بن سلام ہو ۔ عبداللہ نے جواب دیا جی ہاں ۔حضورؐ نے قسم دے کر فرمایا عبداللہ سچ بتا کیا تو میرا تذکرہ توراۃ میں نہیں پاتا ؟ عبداللہ نے کہا آپ پروردگار کے کچھ اوصاف بیان فرمائیے ۔حضورؐ نے سورۂ اخلاص پڑھ دی ۔ عبداللہ نے فوراً کلمۂ توحید پڑھا اور مدینہ واپس آئے ،لیکن اپنے اسلام کو مخفی رکھا ۔ یہاں تک کہ حضور اقدس ؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے ۔ اس وقت عبداللہ کھجور کے درخت پر چڑھے ہوئے تھے خوشی میں اوپر سے کود پڑے الخ ۔ اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ ہجرت سے قبل مسلمان ہوگئے تھے۔

toobaafoundation.com

اکثر مفسرین نے عام علمائے اہل کتاب مراد لئے ہیں جن میں حضرت عبداللہ بن سلام بھی تھے۔ ابن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ نے فرمایا علمائے اہلِ کتاب یعنی عبداللہ بن سلام، سلمان فارسی اور تمیم داری ہیں۔ گویا خدا تعالیٰ نے مشرکین مکہ سے فرمایا کہ اگر تم کو محمدؐ کی رسالت کی تصدیق نہیں ہے تو توریت و انجیل کے عالموں سے دریافت کرلو وہ انبیائے سابقین کی نبوت اور محمدؐ کے حالات صفات حلیہ اور دیگر امتیازی علامات کے متعلق شہادت دیں گے۔ تم اگر ناواقف ہو تو واقف کاروں کی شہادت کو مانو۔ الغرض رسالت محمدی کو ثابت کرنے کے لئے خدا تعالیٰ نے عقل و نقل دونوں کی شہادت پیش کی عقلی شہادت تو یہ کہ قرآن خود رسالت کو ثابت کر رہا ہے اسی پر غور کرو عقل و دانش سے کام لو اور سمجھو کہ رسول کے علاوہ کیا کوئی اور بھی ایسی جامع بلیغ کتاب پیش کر سکتا ہے؟ (اللہ کی شہادت سے یہی شہادت مراد ہے) اور نقلی شہادت حاصل کرنے کے لئے اہل کتاب سے دریافت کرنے کا حکم دیا۔

سورۂ رعد اس آیت پر ختم ہوگئی۔ پوری سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات و صفات کا بیان، مکارم اخلاق کی تعلیم، دنیا و آخرت کے متعلق مختلف نصائح سعید وہ ہے جس نے تعلیم رسول پر عمل کیا۔ شقی وہ ہے جس نے اُس سے روگردانی کی۔ استقامت اصل ہے موت تک حد ہے، دنیا امتحان گاہ ہے، جہالت دوامی موت ہے اور علم ہی زندگی ہے۔

مقصود بیان

رسول پاکؐ کا کام صرف تبلیغ ہے۔ اندرونی اعمال کا محاسبہ خدا تعالیٰ کرنے والا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ حضور نے مسلمانوں سے جو وعدے فرمائے تھے یا کافروں کو جو دھمکیاں دی تھیں وہ حضورؐ کی زندگی ہی میں پوری ہوجائیں۔ مسلمانوں کی فتح اور کافروں کی شکست کی تکمیل حضور اقدسؐ کی وفات کے بعد بھی ہوئی۔ آیت اَوَلَمْ یَرَوْا الخ بتا رہی کہ کسی قسم کی فتح ہو یک دم انقلابی شکل میں اُس کی تکمیل نہیں ہوتی بلکہ آہستہ آہستہ تدریجاً ہوتی ہے۔ اسلام کو کفر پر غلبہ ہوا، مگر رفتہ رفتہ ممالک کفر میں کمی آتی گئی اور تسلط اسلام بڑھتا گیا۔ یہی آیت دلالت کر رہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو جو کچھ کرنا مقصود ہوتا ہے اور جو بات ہونے والی ہوتی ہے اُس کے آثار پہلے ہی ظہور پذیر ہوتے رہتے ہیں۔ اہل عقل اُن آثار و علامات کو دیکھ کر اصل نتیجے پر پہنچ جاتے ہیں اور بے وقوف اپنی جہالت میں گم رہتا ہے۔ آیت فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ بتا رہی ہے کہ انسانی تدبیر کے نتیجے کو اُلٹ دینا اللہ کے قبضے میں ہے۔ اُس کے مصالح اور حکمتوں کی طاقت غیر محدود ہے سَیَعْلَمُ الْكُفّٰرُ الخ کے الفاظ میں کافروں کو دھمکی ہے کہ انجام کار تم کو شکست، ذلت، رسوائی اور عذاب آخرت سے دوچار ہونا پڑے گا اور مسلمانوں کو غلبہ، حکومت، سطوت اور دوامی نجات حاصل ہوگی۔ آخری آیت میں سبق دیا ہے کہ کسی مدعا کو ثابت کرنے کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں یا تو شہادت فطرت اور عقلی تدبر و تفکر یا علماء کے قول کی تقلید۔ رسول پاکؐ مظہر حق اور جلوہ گاہِ حقیقت ہیں۔ اُن کی ذات و صفات پر غور کرنے کے بعد خود ان کی صداقت واضح ہوجاتی ہے اور اگر کسی کور باطن کو ان کے چہرے پر جلوۂ حق نظر نہ آئے تو وہ دیگر علماء سے دریافت کر کے تصدیق کرلے وغیرہ۔

سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّیَّةٌ وَّهِیَ اثْنَتَانِ وَّخَمْسُوْنَ اٰیَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ ابراہیم مکہ میں نازل ہوئی اس میں باون آیتیں ہیں اور سات رکوع ہیں

حضرت زبیر، جابر بن زید، قتادہ، عکرمہ، حسن بصری، ابن کثیر، مفسر سراج اور بیضاوی وغیرہم کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ سیوطی کے نزدیک دو آیات یعنی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ الخ کو مستثنیٰ کیا ہے۔ بعض نے بجائے دو کے ان تین آیات کا استثنا کیا ہے جن میں مقتولین بدر کا ذکر ہے۔ ابن عباسؓ نے صرف ان دو آیات کا استثنا کیا ہے جن میں جنگ بدر کے مشرک مقتولوں کا بیان کیا گیا۔ حسب صراحت بیضاوی کل آیات ۵۱ ہیں۔ بعض کے نزدیک ۵۰ یا ۵۲ یا ۵۵ ہیں۔ کلمات کی تعداد ۱۳۸ - اور حروف کا شمار تین ہزار چار سو چونتیس ہے۔

toobaafoundation.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ ۵

یہ قرآن ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تم پر اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف اُن کے رب کے حکم سے لاؤ

بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي

یعنی اُس زبردست قابلِ حمد اللہ کے راستہ کی طرف لاؤ جو کائنات سماوی و ارضی

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۙ

کا مالک ہے اور اُن کافروں کے لئے سخت عذاب سے تباہی ہے

الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

جو دنیوی زندگانی کو آخرت کے مقابلہ میں محبوب سمجھتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے

اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝

ہیں اور اُس میں کجی ڈھونڈتے ہیں یہی لوگ ایک طویل گمراہی میں ہیں

تفسیر اگرچہ عالمِ انسانی کی ہدایت کے لئے سطحِ زمین پر ہزاروں انبیاء بھیجے گئے لیکن موجودہ تینوں آسمانی مذاہب کا مرجع حضرت ابراہیمؑ کی ذات ہے۔ یہودی اور عیسائی اور مسلمان سب کے سب اپنے گروہ کو ملتِ ابراہیمی کا پیرو بتاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ خالص موحد اور صالح مومن اور حق پرست اصحابِ یقین میں سے تھے۔ ایمان و ایقان کی آخری چوٹی پر آپ پہنچ چکے تھے۔ آپ کے دو صاحبزادے اولوالعزم نبی تھے۔ اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں عدنانی عرب ہیں اور حضرت اسحاق کی نسل سے تمام اولادِ اسرائیل ہے۔ جب امتدادِ زمانہ کی وجہ سے بنی اسرائیل گمراہ ہوئے تو مختلف انبیاء ان کی ہدایت کے لئے آتے رہے، مگر عرب کی ہدایت کے لئے حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد نبی نہیں پیدا ہوا، لیکن یاد رہے کہ اولادِ اسمٰعیل یا اولادِ اسحاق سب اصل کے اعتبار سے سامی ہیں۔ رہی آرین اور تورانی نسل تو ان کو شریعتِ اسلامیہ نے اہلِ کتاب قرار نہیں دیا۔ تاہم اتنا یقینی ہے کہ ان کی ہدایت کے لئے بھی مختلف اوقات میں مختلف نبی مبعوث ہوئے ہوں گے اور ان پیغمبروں پر پیامِ الٰہی بصورتِ صحیفہ نازل ہوا ہوگا۔ رسولِ پاکؐ کی بعثت سے قبل تمام عالم کفر و ضلالت کی تاریکی میں گھر چکا تھا۔ اولادِ اسمٰعیلؑ بت پرست، ستارہ پرست اور شیطان پرست تھے۔ اسرائیلیوں کے دو فرقے تھے یہودی اور عیسائی۔ یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ اور حضرت داؤدؑ کی تعلیم کو فراموش کر دیا تھا۔ توحید کی بجائے شرک، حق پرستی کی جگہ ہوا پرستی اور اصلاحِ عالم کے عوض افسادِ عالم کا بیڑہ انہوں نے اٹھا لیا تھا۔ عیسائی توحید تھے، مگر ان کی توحید شرک آمیز تھی۔ اُن ہی کا ایک فرقہ حضرت عزیرؑ کو خدا کا بیٹا کہتا تھا۔ تورات میں حسبِ خواہش تغیرات کر لئے تھے۔

toobaafoundation.com

کہیں عبارت بدل ڈالی تھی اور اکثر جگہ معانی میں تحریف کرنے لگے تھے۔ اُن کے علما حرام و حلال کے مالک اور خود شارع بن بیٹھے تھے۔ مختلف انبیاؑ ان کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے، مگر انھوں نے بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ بھیجے گئے۔ کچھ لوگوں نے آپ کی تعلیم کو مانا اور اکثر نے مخالفت کی۔ عیسائی فرقہ کچھ زمانے تک تو صحیح توحید پر رہا، لیکن پھر ایسا راہِ راست سے ہٹا کہ اصل مسلک کو بھی بھول گیا۔ حقانی علماء کو چُن چُن کر قتل کیا گیا اور تین سو برس کے بعد تو تثلیث، الوہیت مسیح اور صلیب پرستی نے ایسا رواج پایا کہ بُت پرست اقوام بھی اُن سے پیچھے رہ گئیں۔ رہی آرین اور تورانی نسلیں تو ان کی حکومت ایران، چین، ہندوستان، سیام اور مغربی ممالک میں تھیں۔ اُن کی حالت بھی ناقابلِ ذکر ہو گئی تھی۔ کفر و الحاد کی کوئی شاخ ایسی نہ تھی جس نے ان کے اندر پرورش نہ پائی ہو اور پھر پرورش پاکر بارآور نہ ہوئی ہو اور پھر بارآور ہو کر عظیم الشان درخت کی شکل نہ اختیار کر لی ہو۔ بُت پرستی، عناصر پرستی، کواکب پرستی، ملائک پرستی غرض ہر طرح کی غیر اللہ پرستی ان میں متمکن اور شائع ہو گئی تھی۔ یہ وقت تھا اور یہ ہمہ گیر تاریکی تھی جس نے دلوں کی روشنی، روحوں کا نور اور فطرت کی شعاعوں کو بجھا دیا تھا۔ آفتابِ حق کی کرنیں باطل کی گھٹاؤں میں روپوش ہو گئی تھیں کہ خدا تعالیٰ نے نافِ زمین یعنی معمورۂ ہستی کے وسط سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر کتابِ ہدایت دے کر مامور فرمایا کہ اس آفتابِ عالمتاب (یعنی قرآن پاک) کی روشنی سے دنیا کو منور کر دو۔ لوگوں کو کفر و الحاد، ظلم استبداد، عدم مساوات اور افراط و تفریط کی تاریکی سے نکال کر توحید، عدل، مساوات اور ایمان و اصلاح کی روشنی کی طرف لاؤ، سب کو راہِ حق دکھاؤ، اللہ کی طرف بلاؤ کیوں کہ وہی آسمان و زمین کا موجد، مربی اور قائم رکھنے والا ہے۔ اسی کے دستِ قدرت میں ان کا وجود ہے کسی غیر کو اس کے مقابلے میں الوہیت و ربوبیت کا استحقاق نہیں ہو سکتا۔ یہی راہِ نور اور صراطِ مستقیم ہے۔ اب جو لوگ اس کا انکار کریں گے، راہِ نور پر نہ آنا چاہیں گے، راہِ تاریک سے نور کے راستے پر نہ آئیں گے، جن کے آثار و علامات یہ ہوں گے کہ (۱) آخرت کی حقیقی زندگی پر وہ دنیوی عارضی زندگی کو ترجیح دیں گے۔ اُن کے پیشِ نظر محض دنیوی عیش و طرب اور لذت و راحت ہوگی آخرت کی راحت و تکلیف کا اُن کو عقیدتاً و عملاً انکار ہوگا۔ غرض یہ کہ وہ دنیا پر شیفتہ و فریفتہ ہوں گے (۲) اور خود ہی گمراہ نہ ہوں گے بلکہ دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکیں گے۔ کبھی دنیوی لالچ دے کر، کبھی تقلیدِ آبا کی تعلیم دے کر، کبھی کوئی شیطانی کرشمہ دکھا کر، کبھی اپنی جھوٹی کرامت اور خلافِ کشف دکھا کر اور کبھی اپنی بالغ رائے اور انتہائے عقل کی جھوٹی روشنی نمودار کر کے لوگوں کو سیدھے راستے سے بھٹکائیں گے (۳) اور راہِ حق کو اپنی نفسانی خواہش سے ٹیڑھا کرنا چاہیں گے، اپنے مقصد کے موافق قرآن میں تاویل، تحریف اور تبدیل و تغیر کریں گے۔ ایسے لوگ کج فطرت، کور بصیرت اور تاریک روح والے ہیں، اُن کی گمراہی بہت لمبی ہے۔ ان کی سزا بس دوزخ ہے۔

مقصود بیان

تمام مخلوق تاریکی کے تہ بر تہ پردوں میں ہے اور اللہ کا نور بالکل ظاہر ہے (انتہائے ظہور کی وجہ سے آنکھوں میں مادی نور رکھنے والے اس کو نہیں دیکھ سکتے) لِتُخْرِجَ کا لفظ دلالت کر رہا ہے کہ راہِ حق ہی روشن راہ ہے اور تمام راستے تاریک ہیں۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ سے اس طرف اشارہ ہے کہ رسول پاکؐ اور دیگر ہادیانِ اُمت سب کے سب رہنما ہیں، کسی کو منزلِ مقصود پر پہنچانے کی طاقت نہیں۔ جب تک اللہ کا اذن نہ ہو کوئی رہنما ہدایت نہیں کر سکتا۔ قلوب میں تروتازگی اور فہم و درایت سب اللہ کی مشیت و اجازت سے ہوتی ہے، کسی کو اس کا اختیار نہیں۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ الخ اس جانب ایماء ہے کہ اللہ کو استحقاقِ الوہیت بے وجہ اور بلا سبب نہیں۔ جب تمام مخلوق اسی کے دستِ قدرت میں ہے تو بلاشبہ وہی مستحقِ الوہیت ہے پھر وہی غالب بھی ہے، اس سے زیادہ کوئی صاحبِ قوت بھی نہیں۔ اس کے علاوہ اس کی ذات و صفات تمام عیوب و نقائص سے پاک اور ہر قسم کی ستائش کے قابل ہیں۔ لہٰذا وہی ربوبیت کا مستحق ہے۔ آیات میں کافروں کے تین اوصاف بیان کرنے سے اس مضمون کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کے پیشِ نظر صرف حیاتِ اخروی ہونی چاہیے۔ دنیوی زندگانی اس کا اصل مطمحِ نظر نہ بننی چاہیے۔ پھر اس کو نہ صرف خود راہِ راست پر مستقیم ہو جانا چاہیے بلکہ دوسروں کا بھی رہنما ہونا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو حق کی تبلیغ کرے پھر راہ پیمائی اور راہ نمائی میں خواہشِ نفس کو دخیل نہ بنانا چاہیے۔ اللہ کے احکام کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۭ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ

اور ہم نے ہر رسول کو اُس کی قومی زبان میں ہی (پیام پہنچانے کے لئے) بھیجا تاکہ لوگوں سے کھول کر (احکام) بیان کرے اس کے بعد اللہ

يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

جس کو چاہے گمراہ چھوڑ دے اور جس کو چاہے ہدایت کر دے وہی غالب اور مصلحت بین ہے

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا تھا کہ قرآن پاک کا نزول اس لئے ہوا کہ لوگ تاریکی سے نکل کر روشنی میں آجائیں، لیکن یہ غرض اسی وقت پوری ہو سکتی تھی کہ قرآن براہ راست جس قوم میں نازل ہوا ہے وہ اس کے مطالب و معانی سمجھ سکے۔ اگر اس کی زبان کو چھوڑ کر دوسری زبان میں نازل ہوتا تو اس قوم کو مطلب سمجھنے میں بڑی دشواری ہوتی۔ چنانچہ اسی مصلحت کو پیش نظر رکھ کر قرآن کو عربی میں نازل فرمایا بلکہ اس آیت میں بطریق عموم فرما دیا کہ ہر نبی کو ہم نے اس کی قومی زبان میں پیام ہدایت دے کر بھیجا تاکہ واضح طور پر کھلم کھلا قوم والوں کو پیام الٰہی سمجھا سکے اور ان کو ہدایت حاصل ہو سکے، لیکن جو لوگ کور باطن اور ازلی بدبخت ہیں ان کی تاریکی کو کوئی مشعل ہدایت دور نہیں کر سکتی۔ آفتاب سے ان کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہوتی ہے۔ ابر رحمت کے برسنے سے ان کے گھورے سے مزید تعفن پیدا ہوتا ہے، اس لئے آگے ارشاد فرماتا ہے کہ ہدایت و گمراہی تو اللہ کے قبضہ میں ہے یعنی رسول اور کتاب فقط ذریعہ ہدایت اور ابر رحمت ہیں۔ گمراہ چھوڑنا یا راہ یاب کرنا اللہ کا کام ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ چھوڑ دیتا ہے۔ فیض قدسی سے اس کو فائدہ نہیں پہنچتا اور جس کو چاہتا ہے اس کو ہدایت کر دیتا ہے۔

ایک شبہ جب قرآن کی زبان عربی بلکہ قریشی ہے اور یہ زبان اس لئے اختیار کی گئی ہے کہ عرب والوں کی سمجھ میں خوب آسکے اور حضور اقدس کھول کھول کر ان کے سامنے بیان کر سکیں تو ظاہر ہے کہ آپ کی بعثت بھی صرف عرب کے لئے تھی عمومی بعثت نہ تھی ورنہ قومی زبان میں نازل ہونے کی یہ حکمت و مصلحت کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔

ہم اس شبہ کا حل کرنے سے پہلے مناسب سمجھتے ہیں کہ آیات و احادیث سے ثابت کر دیں کہ حضور اقدس کی عمومی بعثت تھی۔ آپ تمام دنیا کے لئے نبی بنا کر بھیجے گئے تھے نہ فقط انسان بلکہ جنات کی ہدایت کا کام بھی آپ کے سپرد تھا۔

ایک آیت میں آیا ہے قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا لفظ جمیعًا بتا رہا ہے کہ کل آدمیوں کے لئے حضور کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا۔

دوسری آیت میں آیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ لفظ کافّۃً بھی ہمارے مدعا پر صریح دلالت کر رہا ہے۔

تیسری آیت میں قرآن کے متعلق وارد ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ یعنی قرآن تمام عالم کے لئے موجب نصیحت ہے جب قرآن کی ہدایت عمومی ہے تو رسول پاک کی بعثت بھی عمومی ہوئی۔ صحیح حدیث میں آیا ہے حضور نے فرمایا۔ بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ - مجھے کالے اور گوروں یعنی مشرق اور مغرب کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔

صحیحین میں حضرت جابر کی روایت ہے کہ حضور نے شاہ روم، والی مصر، شاہ حبش اور بعض دیگر حکام کو خطوط ہدایت بھیجے تھے۔ اگر بعثت عام نہ ہوتی تو بیرون عرب کیوں تبلیغ کرتے۔ اب ہم اصل شبہ کے حل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ قوم و امت میں فرق ہے۔ قوم کا اطلاق دو معنی پر ہوتا ہے خاص اور عام۔ خاص قوم تو کسی شخص کی قرابت دار یا زائد سے زائد اس کے ہم وطن کہلاتے ہیں اور عام قوم میں تمام وہ لوگ داخل ہیں جو اس کے ہم ملک یا ہم زمانہ ہیں۔ آیت مذکورہ میں اول معنی مراد ہیں، لیکن اس سے عمومی بعثت کا انکار کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ اگر انبیاء کرام جس زبان میں پیام الٰہی لے کر آئے اُسی زبان کے جاننے والوں تک اُن کی تبلیغ و بعثت محدود رہی ہے۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ بعض انبیاء

toobaafoundation.com

ایسے بھی گزرے ہیں جن کی کتاب یا قوم کی زبان اگرچہ مخصوص تھی، مگر ان کی بعثت بعض دوسری قوموں کے لئے تھی مثلاً حضرت یوسف کی زبان عبرانی تھی مگر آپ نے جیل خانے والوں کو بھی تبلیغ توحید کی۔ بلکہ شاہ مصر اور بعض دیگر قبطی آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے تھے۔ حضرت موسیٰ کی کتاب اور قوم بنی اسرائیل کی زبان بھی عبرانی تھی، مگر فرعون والوں اور اصحاب فرعون کو بھی تبلیغ و توحید کا حکم آپ کو دیا گیا تھا۔ یہی صورت ہمارے رسولؐ کی تھی۔ اگرچہ آپ کی، آپ کی قوم کی اور قرآن کی زبان عربی تھی، مگر آپ کی تبلیغ صرف عرب پر محدود نہ تھی۔ تمام کالے گورے توحید و رسالت پر مکلف تھے۔ رہی یہ بات کہ پھر بیان مسائل اور فہم شریعت تفصیلی طور پر دوسری قوموں کے لئے کس طرح ممکن تھا؟ اور قومی زبان میں کتاب نازل کرنے کا کیا فائدہ؟ تو ظاہر ہے کہ پیام الٰہی براہ راست کسی ایک مخصوص زبان میں نبی کے پاس آنا لازم تھا۔ کیوں کہ اگرچہ خدا تعالیٰ قادر تھا کہ دنیا کی ہزاروں اقوام کے پاس ہزاروں زبانوں میں جدا جدا ایک ہی پیام دے کر ایک ہی نبی کو بھیج دیتا اور وہ بھی تمام زبانوں سے واقف ہوتا اور بذات خود دنیا کے ہر حصہ اور خطہ میں ہر قوم کے پاس پہنچ کر ان ہی کی زبان میں اللہ کا پیام ان کو پہنچاتا، مگر عادتاً ایسا ناممکن تھا۔ قدرت اور ہے اور عادت اور چیز ہے۔ لامحالہ کسی مخصوص زبان کو اختیار کرنا پڑا اور چونکہ سب سے پہلے انھیں لوگوں کی اصلاح ضروری تھی جن میں نبی پیدا ہوا، پرورش پائی اور نبی کی خوبی سے ان کو کامل واقفیت تھی، اس لئے انھیں کی زبان کو ذریعۂ تبلیغ قرار دینا لازم ہوا۔ لہٰذا قرآن پاک بزبان عربی نازل ہوا جس پر عمل کرنے کا حکم سب سے پہلے رسول پاکؐ کے اقارب کو ہوا پھر عمومی عرب کو اور پھر تراجم و وفاسیر کے ذریعہ سے تمام عالم کو۔ قرآن پاک کی زبان بھی اگرچہ آسمانی اور الہامی ہے، مگر بعثت اور زبان میں فرق ہے۔ زبان صرف نزولی ہے۔ جس قوم میں نزول ہوا اس کی زبان اختیار کی گئی، مگر بعثت عمومی ہے جو ترجمہ کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔ بعثت کو کتابی زبان پر سمجھ لینا خلاف دانش ہے۔

مقصود بیان آیت دلالت کر رہی ہے اس مضمون پر کہ آدمیوں کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے کسی جن یا فرشتہ کو نبی بنا کر نہیں بھیجا۔ ہمیشہ آدمی ہی رسول رہا۔ ہر پیغمبر احکام الٰہی کو اپنی قومی زبان میں لایا یعنی جو پیغمبر اللہ کی وحی اور اس کا نزولی کلام لایا وہ قومی زبان میں لایا تاکہ قوم والوں کو سمجھنے میں سہولت ہو۔ کتاب الٰہی سرچشمۂ ہدایت اور ابر رحمت ہے۔ اس کے ذریعہ سے روشن دل والے ہدایت پاتے ہیں اور کور مغز مزید گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ہدایت دینا اور گمراہ چھوڑنا اللہ کا فعل ہے جو حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ آیت کا آخری حصہ بتا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ عالم، صاحب ارادہ اور مختار ہے وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ

اور ہم نے موسیٰ اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاؤ

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝ وَاِذْ

اور ان کو اللہ کے دن یاد دلاؤ اس میں ہر صابر شکرگزار کے لئے بلاشبہ نشانیاں قدرت ہیں جب

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اس احسان کو یاد کرو جو اللہ نے تم پر کیا ہے جبکہ تم کو فرعون والوں سے

فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْۗءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَاۗءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

نجات دی وہ تم کو بری طرح سے تکلیف دیا کرتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو مار ڈالتے تھے اور لڑکیوں کو

toobaafoundation.com

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝ع وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ ع ۶ ۱۲

زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی اور جب تمہارے رب نے جتا دیا تھا کہ اگر

شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ وَقَالَ مُوْسٰٓى

شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور ناشکری کرو گے تو میری مار سخت ہے اور موسیٰ نے کہا

اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

کہ اگر تم اور زمین کے سب لوگ کافر ہو جائیں تب بھی اللہ بے پروا اور قابلِ ستائش ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ محمد ﷺ کوئی نئے نبی بن کر نہیں آئے نہ کوئی جدید انوکھا پیام خدا لائے بلکہ ہمیشہ سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے۔ دیکھو خدا نے موسیٰ کو بھی مختلف معجزات و آیات دے کر نبی بنا کر بھیجا تھا اور حکم دیا تھا کہ مخلوقات کے دلوں پر کفر و جہالت، معصیت اور شرک جلی و خفی کے تاریک پردے پڑے ہوئے ہیں ان کو ہدایت کی روشنی سے آہستہ آہستہ دور کر دو۔ تاریکی کے پردوں سے نکال کر نور کے پردوں میں لے آؤ یعنی مادی کثافت اور شہوانی او غضبی قوتوں کے تسلط سے آزاد کر کے روحانیت اور علم کی طرف لے آؤ اور ان کے دلوں سے غفلت کا زنگ دور کرنے کے لئے اللہ کے انعامات و احسانات یاد دلاؤ۔ مثلاً معجزات کے ذریعہ سے فرعون کو مغلوب کرنا، ساحروں کا ایمان لانا، طوفان، ٹڈی، جوں اور خون وغیرہ کا عذاب اہلِ مصر پر نازل کرنا۔ بحیرۂ قلزم میں فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دینا اور بنی اسرائیل کو بچا لینا۔ جنگل بیابان میں ابر کو خیمہ کی طرح سایہ فگن کرنا اور بے آب و گیاہ میدان میں غیب سے بصورت من و سلویٰ رزق پہنچانا، غالب و قاہر مغلوب کرکے بنی اسرائیل کو ان پر حکمراں بنانا وغیرہ۔ مجاہد، قتادہ وغیرہ کا قول ہے کہ اَيّٰمِ اللّٰهِ سے مراد ہیں انعام الٰہی کے ایام حضرت ابی بن کعب نے فرمایا اَيّٰمِ اللّٰهِ سے مراد ہیں اس کی نعمتیں۔ ابن کثیر نے کہا کہ مرفوع حدیث میں بھی یہی تفسیر آئی ہے۔ (کما رواہ ابن جریر وغیرہ) غرض اللہ کے احسانات اُن کو یاد دلاؤ۔ اہلِ بصیرت کو فائدہ پہنچے گا۔ جو لوگ مصائب پر صبر کرنے والے اور ہر دکھ میں ایمان و عملِ صالح پر قائم رہنے والے ہیں اور جو لوگ راحت و عیش میں شکر کرنے والے اور خدا کو نہ بھولنے والے ہیں ان کو گزشتہ مصائب اور پھر مصائب سے نجات کے واقعات سن کر ہدایت و نصیحت ہوگی۔

ایک صحیح حدیث میں حضور اقدس ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ مومن کا ہر معاملہ بھی کیسا اچھا ہے۔ اللہ اس کے لئے جو کچھ بھی جاری فرماتا ہے وہ اس کے حق میں بہتر ہی ہوتا ہے۔ اگر اس کو کوئی مضرت پہنچی اور اس نے صبر کیا تو اس کے لئے بہبودی ہو گئی اور اگر اس کو راحت و مسرت حاصل ہوئی اور اس نے شکر کیا تب بھی اس کے لئے بہبودی ہو گئی۔ حضرت قتادہ نے فرمایا کہ بہت اچھا ہے وہ بندہ جس نے دکھ میں صبر کیا اور سکھ پایا تو شکر کیا۔

حضرت موسیٰ نے حکمِ الٰہی کی تعمیل کی اور اپنی قوم کو گزشتہ مصائب و انعامات کی یاد دہانی کی ان کو بتایا کہ دیکھو تم پہلے کس قدر ذلت و مصیبت میں تھے۔ اگر تمہارے ہاں کوئی نرینہ اولاد ہوتی تھی تو قبطی اس کو قتل کر دیا کرتے تھے اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو اس کو چھوڑ دیا کرتے تھے (حقوقِ شہریت سے تم کو محروم کر رکھا تھا۔ حکومت میں تمہارا کوئی حصہ نہ تھا، مزدوری محنت کے ساتھ کرایا کرتے تھے بلکہ کم دیتے تھے، تمہاری عورتوں سے ناقابلِ برداشت مشقت لیتے تھے) اور یہ تمام مصائب پروردگار کی طرف سے آزمائش تھے۔ کچھ زمانے کے بعد خدا نے دور کر دیئے، حکومت تم کو عطا کی۔ راحت و عیش سے تم کو ہمکنار کیا۔ دشمنوں پر تم کو غالب کیا۔ یاد رکھو کہ اگر اللہ کی نعمتوں

toobaafoundation.com

کا شکر کرو گے اس کے حکم پر چلو گے تو اس نے وعدہ کر لیا ہے کہ تم کو زوال نہ ہوگا بلکہ مزید عیش و راحت اور عزت و حکومت اور نجات آخرت حاصل ہوگی اور اگر کفرانِ نعمت کیا، احکامِ الٰہی کو پس پشت ڈال دیا، کتابِ الٰہی کی پرواہ نہ کی اور شریعت کی خلاف ورزی کی تو موجودہ نعمت، حکومت، عزت وغیرہ بھی چھن جائے گی۔ اللہ کا عذاب سخت ہے وہ تم کو تباہ کر دے گا اور انجام کار دوامی عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

حضرت موسیٰ نے اپنی قوم سے یہ بھی فرمایا تھا کہ لوگو خوب سمجھ لو طاعت و معصیت سے تمہارا ہی نفع نقصان وابستہ ہے اللہ کی کوئی غرض اس میں شامل نہیں ہے۔ اگر سطح زمین کے تمام جن وانس بھی کفر کرنے لگیں اور کوئی خدا کو نہ مانے اور اس کے حکم پر نہ چلے تو کوئی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ بہرحال محمود ہے اور تمام کی طاعت و معصیت سے لاپرواہ ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے فرمانِ اقدس نقل کیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے تمام جن وانس متقی ہو جائیں اور ایک دل بن جائیں تب بھی میری بادشاہت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا اور اگر تمہارے سب اگلے پچھلے تمام جن وانس ایک میدان میں جمع ہو کر کھڑے ہوں اور ہر آدمی اپنی آرزو طلب کرے اور میں اس کی آرزو پوری کروں تب بھی میرے خزانۂ غیب میں کوئی کمی نہ ہوگی، مگر اتنی جتنی سمندر میں سوئی ڈبونے سے پانی میں کمی ہو جاتی ہے۔ الحدیث

حضرت انس کی مرفوع حدیث میں ہے کہ جس کو شکر کی توفیق دی گئی وہ زیادتی سے محروم نہ ہوگا (رواہ البخاری فی تاریخہ والضیاء فی مختارہ) ترمذی نے نوادر میں بھی ابوہریرہؓ کی روایت سے اسی مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے۔

مقصودِ بیان اقرار توحید اور عمل صالح نور ہے اور کفر و معصیت تاریکی ہے۔ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے اندر تمام مادی قوتیں چند در چند ہیں اور خواہشِ نفس کی نوعیت گوناگوں ہے جن میں سے ہر ایک مستقل تاریکی ہے اور نورانی قوت ایک ہے۔ اس کا تسلط بھی ایک ہی طرح کا ہے گویا افراط و تفریط کو چھوڑ کر راہِ عدل صرف ایک ہی ہے۔ درحقیقت صراطِ مستقیم عقلاً بھی ایک ہونی چاہیئے۔ مختلف گمراہ کن پگڈنڈیاں غیر محدود ہوتی ہیں، مگر مقصود تک پہنچانے والا آسان ترین سیدھا راستہ ایک ہی ہوا کرتا ہے یہی راہِ نور ہے۔ ذَكِّرْهُمْ الخ کا لفظ بتا رہا ہے کہ ترہیب و ترغیب کے لئے گزشتہ مصائب و انعامات کا تذکرہ ضروری ہے اس سے دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔ وعظ و نصیحت بے سود نہیں لیکن صَبَّارٍ شَكُورٍ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ مومن کے لئے صبر و شکر کا التزام ضروری ہے استقامت اور ثباتِ قلب لازمی چیز ہے۔ مصیبت سے نہ گھبرانا اور عیش پر نہ اترانا ایمان کی خصوصیت ہے۔ حضرت موسیٰ کے پُرمغز نصائح نقل کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ہر انسان کو اپنی گزشتہ قومی تاریخ پر گہری نظر ڈالنی چاہیئے اور سوچنا چاہیئے کہ ہماری ابتدائی حالت کیسی پست تھی، پھر خدا نے ہم کو کس قدر عروج پر پہنچا دیا اور اب ہماری کیا حالت ہے۔ پستی و بلندی اور عروج و زوال کے اصل اسباب کیا ہیں۔ ہمارا قومی اور شخصی تنزل و ترقی کن امور سے وابستہ ہے۔ آیات کے آخری فقرے پیام دے رہے ہیں کہ اللہ تمام عالم کی طاعت و معصیت سے غنی ہے۔ اس کو کسی کی اطاعت سے فائدہ نہیں پہنچتا۔ نہ کسی کی نافرمانی سے نقصان۔ شکر و کفرانِ نعمت کا نفع نقصان خود انسان ہی کو پہنچتا ہے۔ نعمت کا شکر کرے گا یعنی اللہ کے احکام پر چلے گا تو نعمت میں مزید اضافہ ہوگا۔ کفرانِ نعمت کرے گا تو اگرچہ فوری عذاب نازل نہ ہو، مگر بالآخر نعمت چھین لی جائے گی اور دوامی خسران حاصل ہوگا۔

پوری آیات میں، جہاں مسلمانوں کو شکر، صبر، اطاعت اور صبر اندوزی کا سبق دینا مقصود ہے وہاں یہودیوں کو بھی تنبیہ کرنا غرض ہے کہ حکومت عزت اور شوکت وجلال کا زوال تمہارا خود آوردہ ہے اور تمہاری سرکشی ہی اس بربادی کی اصل وجہ ہے وغیرہ۔

أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِن

کیا تم کو اُن لوگوں کی خبر نہیں پہنچی　جو تم سے پہلے　ہو چکے ہیں　یعنی قوم نوح　اور عاد　اور ثمود　اور وہ لوگ جو اُن کے

toobaafoundation.com

بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

بعد ہوئے جن کا علم بس اللہ ہی کو ہے اُن کے پیغمبروں کے پاس دلائل لے کر پہنچے مگر انہوں نے

فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ

اپنے ہاتھ (تعجب سے) اپنے منہ میں رکھ کر کہا ہم اُس حکم کو نہیں مانتے جو تمہارے ذریعہ سے بھیجا گیا ہے

وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ الثلثۃ

جس بات کی طرف تم ہم کو بلا رہے تھے ہم اس کی طرف سے اضطراب آمیز شک میں پڑے ہیں پیغمبر بولے کیا اُس خدا کے وجود میں

شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

شک ہے جو آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو بلاتا ہے تاکہ تمہارے قصور معاف کرے

وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

اور ایک وقت مقرر تک تم کو رہنے دے

تفسیر ابن جریر کا ظاہر قول ہے کہ یہ حضرت موسیٰ کے کلام کا تتمہ ہے۔ گویا حضرت موسیٰ کو جو حکم دیا گیا تھا کہ ایام الٰہی کی یاد دلاؤ۔ اس کی تعمیل حضرت موسیٰ نے اس طرح کی کہ سب سے پہلے انہیں گزشتہ واقعات کی یاددہانی کی۔ قوم فرعون کے مصائب میں مبتلا ہونا اور پھر ان سے نجات پانا بیان کیا اور آخر میں گزشتہ اقوام کے قصص عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان فرمائے۔ ابن کثیر نے ابن جریر کے اس قول کو محل تامل قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ مجاہد نے ایام اللہ کی تفسیر احسانات الٰہیہ سے کی ہے۔ گزشتہ اقوام کے تذکرے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ توریت میں عاد وثمود کا کہیں تذکرہ نہیں۔ میں کہتا ہوں اگر توریت میں عاد وثمود وغیرہ اقوام کا تذکرہ نہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت موسیٰ نے قوم کو وعظ کرتے وقت بھی ان ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ نہ کیا ہوگا۔ تاہم میرے نزدیک بھی حضرت موسیٰ کے کلام کا تتمہ یہ آیات نہیں بلکہ حسب سابق آیات ..... میں بیان کر دیا گیا کہ محمدؐ کوئی نئے نبی بن کر نہیں آئے بلکہ آپ تو مثیل موسیٰ ہیں آپ سے بہت پہلے موسیٰ بھی آ چکے ہیں اور یہی کام کر چکے ہیں جو آپ اب کرنا چاہتے ہیں تو اب روئے سخن اہل عرب کی طرف کیا جاتا ہے اور ان آیات میں ان عرب والوں کو ہی براہ راست خطاب کیا جاتا ہے جو حضور اقدسؐ کے مخالف تھے اور حضورؐ کی نبوت میں گوناگوں شک کیا کرتے تھے اور اپنے اسلاف کے مذہب کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ فقط موسیٰ اور بنی اسرائیل پر ہی منحصر نہیں بلکہ تم سے پہلے دنیا میں اور قومیں بھی گزر رہی ہیں۔ نوح کی قوم اور عاد (ہود کی قوم) اور (صالح کی قوم) ثمود (چونکہ ان تینوں قوموں کا مسکن سرزمین عرب ہی تھی اور اکثر لوگوں نے اس کے ویران مکان اور اجاڑ کھنڈر اور تباہ شدہ آثار دیکھے تھے، اس لئے ان تینوں کا تو صراحۃً نام لیا اور دوسری قوموں کے متعلق فرمایا کہ یہی تین نہیں بلکہ ان کے بعد اور قومیں بھی گزری ہیں۔ جن کے نسب سوانح حیات اور مسکن و ماویٰ کو یقینی طور پر سوائے خدا کے کوئی بھی نہیں جانتا۔ اللہ کے پیغمبر ان کی ہدایت کے لئے ان کے پاس گئے تو انہوں نے پیغمبروں کی ہدایت کو نہ مانا اور ان کی تکذیب کی (منہ میں ہاتھ لے جانے کا مطلب یا تو نہ ماننا اور انکار کرنا ہے جیسا کہ ابو عبیدہ نے بیان کیا ہے۔ اور مجاہد، قتادہ، محمد بن کعب وغیرہ کا بھی یہی قول ہے) یا غصہ سے انگلیاں کاٹنا مراد ہے (یہ ابن مسعود کا قول ہے) یا یہ مطلب ہے کہ انبیاء

toobaafoundation.com

کے قول کو نہایت تعجب سے سُنا اور اتنا کِھل کِھلا کر ہنسے کہ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لئے (یہ قول ابن عباس کا ہے) اور بولے ہم کو تمہاری باتوں کا اعتبار نہیں ہم تمہاری رسالت کو نہیں مانتے اور اللہ کے متعلق جو کچھ اوصاف تم بیان کرتے ہو اس میں بھی ہم کو قوی شک ہے۔ پیغمبروں نے نہایت تعجب کے لہجے میں دریافت کیا ہائیں کیا تم ہدایت کے منکر ہو۔ کیا اللہ کی ہستی، توحید اور صفتِ تخلیق میں تم کو شک ہے یہ تو بدیہی چیز ہے کہ اللہ تمام عالم کا موجد اور نیست سے ہست کرنے والا ہے اس کا انکار کس طرح ممکن ہے۔ رہی ہماری رسالت تو ظاہر ہے کہ کسی ذریعہ سے وہ اپنا پیام ہدایت تم کو پہنچائے گا چنانچہ ہمارے ذریعہ سے اُس نے تم کو دعوتِ حق دی، مگر اس سے اس کی اپنی کوئی ذاتی غرض وابستہ نہیں بلکہ تمہارا ہی دنیا و آخرت میں نفع ہے۔ اگر اللہ کی دعوت کو قبول کرو گے تو وہ تمہارے تمام قصوروں کو معاف فرما دے گا اور دنیوی زندگی میں تمام عذاب سے بے خوف ہوکر مقررہ میعاد تک زندہ رہو گے۔

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

وہ بولے تم تو ہم ہی جیسے بشر ہو تم ہم کو اُن چیزوں سے روکنا چاہتے ہو جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں

فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ

لہٰذا کوئی صریح معجزہ لاؤ پیغمبروں نے اُن سے کہا بے شک ہم تمہاری طرح انسان ہیں مگر اللہ

اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا

اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم کو طاقت نہیں کہ بغیر حکم خدا کے کوئی معجزہ تمہارے سامنے

بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ

پیش کریں اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے اور کیا وجہ کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ وہ

ع ۲ ۱۴ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ (ع)

ہم کو ہماری راہیں دکھا چکا جو ایذا تم ہم کو پہنچاؤ گے ہم اُس پر ضرور صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ کرنا چاہیئے

تفسیر کفارِ قوم پیغمبروں کے گزشتہ جواب سے مطمئن نہ ہوئے اور چونکہ پیغمبروں نے اللہ کی ہستی، توحید اور صفت تخلیق کو ہدایت کے دعوے کے ساتھ بیان کیا تھا، اس لئے اللہ کے متعلق گفتگو چھوڑ کر پیغمبروں کی رسالت پر تین شبہات کئے :- اوّل تو یہ کہ تم ہماری طرح آدمی ہو فرشتے ہو نہ جن نہ اور کوئی غیبی مخلوق معمولی انسان کا نبی ہونا کس طرح ممکن ہے۔ دوئم یہ کہ تم نئی باتیں بنا کر اور نئی تعلیم دے کر ہم کو اپنے آباؤ اجداد کے طریقہ سے پھیرنا چاہتے ہو۔ جن دیوتاؤں کی پرستش ہمارے اسلاف کرتے چلے آئے ہیں ہم ان کو کس طرح ترک کر سکتے ہیں۔ سوئم یہ کہ اگر تم کو پیغمبری کا دعویٰ ہے تو کوئی ایسا معجزہ پیش کرو جس سے تمہارے دعوے کا ثبوت ہو جائے۔ پیغمبروں نے تینوں شبہات کا جواب ترتیب وار دیا۔ اوّل شبہ تھا کہ نبوت و بشریت میں منافات۔ دوسرا شبہ تھا کہ تمہارے کہنے سے ہم اسلاف کے رسم کو ترک نہیں کر سکتے۔ اس کا جواب تو اس طرح دیا کہ ہاں بظاہر ہم تمہاری طرح آدمی ہیں، لیکن نبوت اللہ کا باطنی فضل ہے۔ نبوت نہ ملنے کی کیا دلیل ہے۔ حق تعالیٰ اپنے فضل سے جس کو چاہے مرحمت فرمائے اور جب نبوت خدا داد عطیہ ہے تو پھر نبی کے قول سے آباء کے رسم و رواج کو ترک نہ کرنا کیسا۔ فضل خداوندی کے سامنے رسم و رواج کو کیسا

toobaafoundation.com

حقیقت ہے۔ تیسرا شبہ طلب معجزہ کے متعلق تھا اُس کا جواب دیا کہ یہ نبی کے اختیار میں نہیں اللہ کے اختیار میں ہے۔ جب چاہے اور جو چاہے معجزہ ظاہر فرمائے۔ پھر معجزہ ایمان کے لئے مؤثر حقیقی بھی نہیں۔ ایمان تو احسانِ خداوندی ہے لہٰذا اسی پر نظر رکھنی چاہیئے وہی توفیق دے اور ایمان نصیب ہو اور چونکہ سیاقِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نے پیغمبروں کو مارنے اور تکلیف دینے کی دھمکی بھی دی تھی، اس لئے انبیاء نے فرمایا ہم تم سے ڈرتے نہیں۔ ہمارا بھروسہ تو اللہ ہی پر ہے اُسی نے ہم کو راہِ حق پر گامزن کیا ہے اُس کے حکم کی تعمیل میں ہم کو کیا ڈر ہو سکتا ہے، تم جو کچھ ہم کو تکلیف دوگے ہم اس پر مضبوطی کے ساتھ صبر کریں گے۔

مقصودِ بیان اقوام و انبیاء کی تعداد صحیح طور پر کوئی نہیں جانتا۔ آبائی مالوفات اور سلف کے رسم و رواج کے خلاف سُن کر انسان کو اچنبا بھی ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔ اللہ کی ہستی اور توحید اتنی بدیہی ہے کہ کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ آسمان و زمین کی ایجاد الوہیت و ربوبیت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اسی بنا پر امام الموحدین حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ توحید کو نہ ماننے پر کوئی شخص معذور نہیں سمجھا جا سکتا۔ بندہ کو ہدایت کرنے میں اللہ کی کوئی ذاتی غرض شامل نہیں بلکہ انسان ہی کا دنیوی و اخروی فائدہ ہے۔ ظاہر پرست طبقے والے کو رباطن آدمیوں کو انسانیت سے اونچا کوئی اور درجہ دینا چاہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ مقربانِ الٰہی کا طبقہ نوعِ انسانی سے جدا کوئی اور گروہ ہونا چاہیئے۔ انبیاء صورت، جسمانیت، مقتضائے بشریت اور دیگر انسانی خصوصیات میں دوسرے آدمیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ نبوت و رسالت محض اللہ کا فضل ہے۔ کوشش و ریاضت سے یہ چیز حاصل نہیں ہوتی، اسی لئے اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ جو کوئی نبوت کو کسبی چیز اور نتیجۂ کوشش سمجھے وہ کافر ہے۔

معجزہ لوازمِ نبوت میں سے نہیں ہے نہ نبی کی اختیاری چیز ہے جب اللہ کی طرف سے اجازت ہوتی ہے معجزہ کا ظہور ہوتا ہے۔ اہلِ ایمان وہی ہیں جن کا بھروسہ اللہ ہی پر ہو۔ غیر اللہ کی مدد، قوت، حکومت اور طاقت کا اعتماد و لالچ نہ ہو۔ آیات کا آخری حصہ تعلیم دے رہا ہے کہ اہلِ حق کو تبلیغِ حق میں جو مصائب اٹھانی پڑیں اور صداقت کی اشاعت میں جو تکلیفیں برداشت کرنی ہوں اُن کو انتہائی جواں مردی و استقامت سے برداشت کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں آیات میں انبیاء کی تبلیغ اور اشاعتِ حق کی جس کوشش کا تذکرہ کیا ہے وہ بتا رہا ہے کہ توکل نام ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنے کا نہیں ہے بلکہ امکانی کوشش کرتے ہوئے اللہ پر بھروسہ رکھنے اور اس کو کارساز سمجھنے کا نام ہی توکل ہے وغیرہ۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِنْ أَرْضِنَا أَوْ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا

کافر اپنے پیغمبروں سے بولے ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے ورنہ ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ

فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْأَرْضَ

تب اُن کے رب نے اُن کے پاس وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کو ضرور غارت کریں گے اور اُن کے بعد ضرور اس زمین میں تم کو

مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ ۝ وَاسْتَفْتَحُوا

بسائیں گے یہ وعید ہر اُس شخص کے لئے ہے جو میرے حضور میں کھڑے ہونے سے ڈرے اور میری وعید کا خوف کرے اور پیغمبروں نے

(٦) وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ مِنْ وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِنْ مَاءٍ صَدِيدٍ

فتح کی دعا مانگی اور ہر سرکش ضدی ناکام ہو گیا (پھر) اُس کے پیچھے دوزخ بھی ہے اور اس کو زرد آب پلایا جائے گا

toobaafoundation.com

يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۖ

جس کو گھونٹ گھونٹ کرکے پیئے گا اور گلے سے اُتار سے نہ اُترے گا اور ہر جگہ سے اس پر موت آئے گی مگر وہ مرے گا نہیں

وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۝

اور اُس کے پیچھے سخت عذاب ہوگا

تفسیر ظالم کافروں نے انبیاء کی تکذیب اور ایذا رسانی پر ہی صبر نہ کیا بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ گئے۔ پیغمبروں نے ان کو غیر اللہ کی پرستش سے منع کیا تھا اور اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی تھی۔ باطل پرستوں کو حق پرستوں سے ضد ہوتی ہے۔ کافروں کو بھی اہلِ حق سے ضد پڑ گئی۔ علاوہ انکار اور ایذا رسانی کے کہنے لگے ہم کو تم کیا نصیحت کرتے ہو۔ اپنی خیر مناؤ۔ یا تو ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ ورنہ جلا وطن کر دیں گے۔ اگرچہ پیغمبر کبھی مذہب کفر پر نہ تھے، مگر چونکہ خاندان کفر میں پرورش پائی تھی اور ان کی توحید پرستی کافروں سے مخفی تھی۔ کافر یہی خیال کرتے تھے کہ یہ لوگ بھی ہمارے دین پر ہیں۔ جب انبیاء نے درسِ توحید دیا تو سمجھے کہ یہ لوگ ہمارے مذہب سے پھر گئے ہیں۔ اسی لئے مذکورۂ بالا قول کہا۔ خدا تعالیٰ نے پیغمبروں کی تسکین کے لئے وحی بھیجی کہ جس سرزمین سے یہ تم کو نکالنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ ہم ان ظالموں کو برباد کر کے تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو اسی سرزمین کا مالک بنا دیں گے، لیکن یہ جانشینی اور کامیابی اور امدادِ خداوندی اسی شخص کو حاصل ہو گی جو حدودِ الٰہی سے آگے نہ بڑھے بلکہ حدِ شرع سے تجاوز کرتا ہوا ڈرے اور حدودِ مقررہ سے تجاوز کرنے والے کے لئے جو وعید ہے اُس کا خوف کرے۔
غرض پیغمبروں نے جب دلائل و براہین تمام کر دیں اور حجت ختم ہو گئی اور کفار اس پر بھی نہ مانے تو بد دعا کی اور حق تعالیٰ سے کفار کے مقابلہ میں فتح و نصرت کے طلب گار ہوئے۔ حسبِ استدعا عذابِ الٰہی آیا تو سارے شریر و معاند کفار ہلاک کر دئے گئے۔ یا اِسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہوئی۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب پیغمبروں نے کافروں کو خوف دلایا اگر ایمان نہ لائے تو عذابِ الٰہی نازل ہو جائے گا اور سب کے سب تباہ کر دیے جاؤ گے اور مجسم شرارت و عناد تھے وہ اس کی دھمکی سے متاثر نہ ہوئے بلکہ انھوں نے فیصلہ کی درخواست کی کہ اچھا عذاب نازل کراؤ اسی پر فیصلہ ہے۔ انجام کار عذاب آ گیا اور کفار کی حقانیت کا دعویٰ باطل ہو گیا (خازن) اس سے آگے اس سزا اور عذاب کا بیان ہے جس سے ہر کافر کو مرنے کے بعد دوچار ہونا پڑے گا اور پڑتا ہے۔
آیات کے آخری فقرہ کا یہ مطلب ہے کہ یوں تو دوزخ کا عذاب سب ہی سخت ہوگا، لیکن سخت ترین عذاب ایک اور ہوگا۔ وہ کون سا عذاب ہوگا؟ علماء تفسیر نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ جن اعمال کو اپنے لئے آخرت میں سود مند سمجھا کرتے تھے اور مصائب برداشت کر کے ان اعمال کی پابندی رکھتے تھے جب وہی اعمال ان کے لئے مفید نہ ہوں گے بلکہ بجائے فائدہ کے وبالِ جان ہو جائیں گے۔ جن کی شفاعت حاصل کرنے کے لئے ان کی پرستش کیا کرتے تھے ان میں سے کوئی شفاعت نہ کرے گا بلکہ بیزاری کا اظہار کرے گا۔ نہ کسی پیر فقیر کی نذر نیاز کام آئے گی نہ عشائے ربانی کا کھانا نہ اشنان کرنا نہ صلیب کی پرستش نہ بتوں کی پوجا نہ مسیح کی الوہیت کا اقرار۔ غرض جن جن پر تکیہ تھا اور جس پر بھروسہ تھا سب رائیگاں جائے گا۔ اُس وقت اُن کی آتشِ حسرت برافروختہ ہو گی جس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ اس کی تشریح آئندہ آیت میں کی گئی ہے۔

مقصودِ بیان آیات میں بظاہر گزشتہ اقوام کی سرکشی اور طغیان کا بیان ہے، مگر درحقیقت رسولِ پاک ﷺ کو آگاہ کرنا مقصود ہے کہ آپ کی قوم بھی گزشتہ کافروں سے کم نہیں یہ بھی اُن کے نقشِ قدم پر چلے گی، طرح طرح سے تکلیفیں دے گی۔ فقط تکذیبِ رسالت اور لعن طعن پر اکتفا نہ کرے گی بلکہ جلا وطن بھی کرے گی، آپ کو ہجرت کرنی ہو گی، مگر انجام کار آپ ہی کو غلبہ ہو گا۔

toobaafoundation.com

ہم ان بدبختوں کو برباد کر دیں گے۔ ان کی پوری سرزمین پر آپ کا تسلط کر دیں گے۔ لہٰذا ان کی ایذا رسانی پر آپ کو صبر کرنا اور اللہ کی ذات پر بھروسہ رکھنا چاہیئے اور اہل ایمان کو استقامت کی تلقین کے ساتھ نصیحت کرنی چاہیئے کہ وہ احکام شریعت کی خلاف ورزی اور حدود الٰہی سے تجاوز نہ کریں اور اللہ سے فتح و نصرت کی دعا کرتے رہیں وغیرہ۔

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ گزشتہ کفار نے اپنے پیغمبروں کو جلا وطن کرنے کی صرف دھمکی دی تھی، مگر جلا وطن کر نہیں سکتے تھے۔ اُن کو خدا تعالیٰ نے یہ طاقت و توفیق نہ دی کہ پیغمبر کو وطن سے نکال دیں، لیکن قریش اور مکہ کے دوسرے کافروں کو یہ قوت عطا فرما دی کہ وہ حضورؐ کو جلا وطن ہو جانے پر مجبور کر سکے اور سرکار عالیؐ کو محبوب وطن چھوڑ دینا پڑا۔ باوجودیکہ دیگر انبیا کے مقابلے میں حضورؐ کا فضل و شرف اور کرامت زیادہ تھی۔

اس شبہ کا حل یہ ہے کہ آیت لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ اور آیت كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ سے ثابت ہے کہ انجام کار انبیاء اور اہل ایمان ہی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ گزشتہ انبیاء کی بعثت اور تبلیغ مقامی اور قومی تھی۔ اگر وہ جلا وطن ہو جاتے تو پھر تبلیغ کس کو کرتے اور پیام الٰہی کون قبول کرتا، اس لئے کافروں کو ایسی طاقت و توفیق نہ دی کہ وہ جلا وطن کر سکیں، لیکن حضور والا کی بعثت و تبلیغ عمومی تھی۔ اگرچہ تبلیغ کا آغاز قوم والوں سے کرنے کا حکم تھا، مگر امت دعوت کل جہاں کے رہنے والے تھے۔ ترک وطن کے بعد بھی حضورؐ کی تبلیغ کے لئے میدان تھا۔ پیام ہدایت پر عمل کرنے کا ہر شخص مکلف تھا، اس لئے حضورؐ نے ہجرت کی اور دوسری قوموں کو پیام ہدایت پہنچایا وغیرہ۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ نِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ

جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کیا مثالاً اُن کے اعمال اس راکھ کی طرح ہیں جس پر آندھی کے دن تیز ہوا چلی

عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

ہو کافروں کو اپنے کئے ہوئے میں سے کچھ ہاتھ نہ آئے گا یہی دور کی گمراہی ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ

(اے مخاطب) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو تدبیر سے پیدا کیا ہے اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے

وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ ۝ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝

اور دوسری نئی مخلوق لے آئے اللہ پر یہ کچھ مشکل نہیں ہے

تفسیر آیات سابقہ کے مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ بعض اہل کفر بھی اپنی نظر میں نیک کام کرتے ہیں اور معاملات میں بھی حسن سلوک کو کام میں لاتے ہیں، لیکن عبادت غیر اللہ کی کرتے ہیں۔ رات بھر دیوتاؤں کا نام بیٹھتے ہیں۔ بتوں کو، ستاروں کو، صلیب کو اور عناصر عالم کو سجدے کرتے ہیں۔ مخلوق کے ساتھ کبھی اچھا سلوک بھی کرتے ہیں، دان دیتے ہیں، خدمت خلق کرتے ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، مسافر خانے بناتے ہیں، پیاسوں کے لئے کنوئیں کھودتے ہیں، لیکن ان سب کے اندر رضائے مولا کے حصول کا خیال نہیں ہوتا، حسن نیت کو دخل نہیں ہوتا، آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں ہوتا، اللہ کے سامنے جانے کا عقیدہ نہیں ہوتا، اس لئے آخرت میں سب کچھ رائیگاں جائے گا کوئی اچھا عمل بغیر ایمان اور اقرار رسالت کے کام نہ آئے گا۔ ہر نیک عمل کی جڑ ایمان اور توحید ہے۔ جب اللہ کی وحدانیت پر ایمان نہیں، احکام الٰہی کا اقرار نہیں، رسالت

toobaafoundation.com

کا اعتراف نہیں کیا تو ہر نیکی عبث ہے دنیا میں مزید اس کا عوض ملتا ہے اور اللہ پاک روزی رزق میں برکت دیتا اور صحت، قوت، عزت، حکومت عطا کرتا ہے۔ مگر آخرت میں ان اعمال صالحہ کا کوئی اجر نہ ملے گا تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ اس مضمون کو ایک مثال دیکر سمجھایا ہے۔ مثال کے طور پر یوں سمجھو کہ ایک سرسبز درخت ہے بار آور ہے، ثمر مند ہو، سایہ دار ہو، مگر جب وہ خشک ہو کر گر گیا اور آگ سے جل گیا تو راکھ کا ڈھیر بن گیا اور آندھی اس خاک کو چاروں طرف اڑا کر لے جاتی ہے کہیں اس کو بقا و ثبات نصیب نہیں ہوتی۔ جب تک درخت زندہ تھا، شاداب اور سرسبز تھا، سایہ دار اور بار آور تھا، اس وقت تک آندھی کے جھونکوں کا مقابلہ کر رہا تھا اپنی جگہ پر قائم تھا۔ مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچ رہا تھا اور اس کو بھی لوگوں سے نفع تھا۔ کوئی پانی اور کھاد دیتا تھا، کوئی تھانولہ درست کرتا، لیکن خشک ہو جانے اور جل کر خاک کا ڈھیر ہو جانے کے بعد اس میں طاقت نہیں رہتی کہ آندھی کا مقابلہ کر سکے۔ اس کی خاک ادھر ادھر اڑتی پھرتی ہے۔ یہی حالت کافر کے نیک اعمال کی ہے جب تک دنیا میں تھا ثمردار تھا، سایہ فگن اور فیض رساں تھا، مخلوق خدا بھی اس کی عزت اور خدمت کرتی تھی۔ محتاج اور سائل امیدوار رہا کرتے تھے۔ ہر نیکی کا صلہ دنیا میں ہی مل رہا تھا۔ عذاب الٰہی بھی اس کی فیض رسانی کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ جب آنکھیں بند ہوئیں اور مٹی کا ڈھیر بن گیا تو زینت ختم ہوئی بار آوری اور فیض رسانی بیکار گئی۔ عذاب الٰہی کی آندھی اس کی خاک کو جدھر چاہے گی اڑا کر لے جائے گی۔ تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ نیکی برباد گناہ لازم بس یہی پرلے درجے کی گمراہی ہے کہ گیا بھلے کو ہو گیا بُرا۔

اس سے آگے کافروں کو تہدید و وعید کرتا ہے اور باطل پرستوں کو لطیف تنبیہ فرماتا ہے کہ اللہ نے آسمان و زمین کو حکمت اور کمال صنعت کے ساتھ پیدا کیا۔ یعنی یہ نظر بندی نہیں جادو نہیں بلکہ حقیقت ہے کہ خالق ارض و سماء اللہ ہے پھر تم آغاز و انجام سے لاپرواہ ہو کر کیوں شرک کرتے ہو اور دنیوی زندگانی کے لہو و لعب پر مغرور ہو۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر خدا چاہے تو سب کو فنا کر کے ایک نئی مخلوق پیدا کر دے جو اسی کی اطاعت گزار ہو۔ خدا کے نزدیک یہ عمل کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ جب خدا ایسا کرنے پر قادر ہے، تو پھر تم کیوں اس سے نہیں ڈرتے۔ اور کیوں اس کے پیام ہدایت کو نہیں مانتے۔

مقصود بیان بغیر ایمان کے کوئی عبادت اور نیک عمل آخرت میں کام نہ آئے گا بلکہ برباد جائے گا۔ اللہ نے عالم کا کوئی ذرہ بغیر حکمت و حقانیت کے پیدا نہیں کیا۔ یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے باوجود ہماری نافرمانی کے چھوڑ رکھا ہے، ورنہ اگر وہ چاہے تو ہم سب کو گرفتار کر کے اس زمین پر کوئی نئی مخلوق بسا دے۔ آخری آیت بتا رہی ہے کہ اللہ کے تصرفات تمام عالم میں جاری اور ساری ہیں۔ کسی طرح کا انقلاب، تغیر اور تجدید اس کے لئے دشوار نہیں۔ آیات کا روئے سخن اگرچہ کافروں کی طرف ہے، مگر اہل بصیرت نے بتایا ہے کہ خطاب ہر صاحب عقل کو ہے کہ دیکھو اللہ نے جب کل عالم کی تخلیق حق کے ساتھ کی تو پھر تم کیوں حق سے روگردانی کرتے ہو۔ حق کو دیکھتے ہو پہچانتے کیوں نہیں۔ رویت و نظر سے معرفت کی طرف انتقال کیوں نہیں کرتے۔ اللہ کے فعل کا نور دیکھتے ہو، لیکن یہ فعل الٰہی جس صفت الٰہیہ سے پیدا ہوا ہے اس صفت کا نور کیوں نہیں دیکھتے اور پھر نور صفت سے نور ذات تک انتقال کیوں نہیں کرتے۔ تمہاری عقل کی آنکھیں روشن ہیں، ان آنکھوں سے اللہ کے فعل تخلیق کو دیکھ رہے ہو اب ذرا دل کی آنکھوں سے فعل تخلیق کے مرکز کو بھی دیکھو اور اللہ کی صفت تخلیق کا بھی مشاہدہ کرو اور پھر اس سے آگے بڑھ کر روح کی آنکھوں سے نور ذات کو بھی دیکھو اور تجلی قدس کا مشاہدہ کر کے اطمینان و سرور قلبی حاصل کرو وغیرہ۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ

اور سب لوگ اللہ کے سامنے پیش ہوں گے پھر کمزور لوگ بڑائی والوں سے کہیں گے کہ ہم تو تمہارے تابع تھے تو کیا

toobaafoundation.com

أَنتُم مُّغْنُونَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللَّهِ مِن شَيْءٍ ۚ قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهَدَيْنَاكُمْ ۖ

اب تم اللہ کے عذاب کو ہم سے کچھ ہٹا سکتے ہو؟ وہ کہیں گے کہ اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم تم کو ہدایت کرتے

سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجَزِعْنَا أَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِن مَّحِيصٍ ﴿٢١﴾ وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا

اب ہمارے لئے برابر ہے خواہ بیقرار ہوں یا صبر کریں ہم کو کسی طرح چھٹکارا نہیں جب کام کا فیصلہ ہو چکے گا تو

قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدتُّكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ

شیطان کہے گا کہ اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا اور میری تم

لِيَ عَلَيْكُم مِّن سُلْطَانٍ إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُومُونِي وَلُومُوا

پر کچھ زبردستی تو تھی نہیں ہاں میں نے تم کو بلایا تھا تم نے میرا کہا مان لیا اب مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے

أَنفُسَكُم ۖ مَّا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا

آپ کو برا کہو میں تمہاری فریاد برداری نہیں کر سکتا نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو اس سے پہلے جو تم نے مجھے

أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ ۗ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٢﴾ وَأُدْخِلَ

شریک بنایا تھا میں اس کو نہیں مانتا کیونکہ ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو لوگ

الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ

مومن اور نیکوکار ہوں گے ان کو جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے اندر نہریں بہتی ہونگی اُن میں وہ

فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ﴿٢٣﴾

ہمیشہ پروردگار ہمیشہ رہیں گے اُن کی دعائے خیر وہاں سلام ہوگا

تفسیر ان آیات میں کفار کی اُس حسرت و یاس کا تذکرہ کیا ہے جو میدانِ حشر میں جمع ہونے یا دوزخ میں داخل ہونے کے بعد پیدا ہوگی۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ دنیا میں دو طبقوں کے کافر ہیں۔ پیشوا اور پیرو، رہنما اور متبع، امام اور مقلد، دولت مند، طاقت ور اور کمزور مفلس مؤخر الذکر طبقہ کا تابع ہے۔ پہلے گروہ نے دوسرے گروہ کو بھی گمراہ کر رکھا ہے اور ان دونوں کو گمراہ کرنے والا شیطان ہے۔ طرح طرح سے وہ وسوسے پیدا کرتا اور قسم قسم سے لبھاتا ہے۔ وہی دلائل دماغ میں ٹھونس کر توحید رسالت اور قیامت کا انکار کراتا ہے۔ جب قیامت ہوگی اور حق و باطل کا فیصلہ ہوگا اور کافروں کو مایوسی ہوگی تو کمزور طبقہ اپنے پیشواؤں سے کہے گا۔ ہم دنیا میں تمہارے تابع تھے جیسا تم کہتے تھے ہم کرتے تھے جس راہ پر تم ہم کو چلنے کا حکم دیتے تھے ہم اسی پر چلتے تھے۔ اب اگر تم ہماری مدد کر سکتے ہو تو کرو۔ عذاب الٰہی میں کچھ تخفیف ہی کرا دو۔ بڑے طبقے والے جواب دیں گے

toobaafoundation.com

ہمارا کچھ قصور نہیں۔ ہم نے دانستہ تم کو گمراہ نہیں کیا۔ جس راہ پر تم خود چلے تھے اُسی راہ پر تم کو چلایا تھا، مگر ہم خود گم کردہ راہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اگر ہم کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دیتا تو ہم تم کو اسی راہ پر چلنے کا حکم دیتے، مگر اب کیا کیا جائے۔ ہر کوشش بے سود ہے۔ ہم صبر کریں یا نہ کریں عذاب الٰہی سے تو چھٹکارا ناممکن ہے۔ جب بڑا طبقہ کو را جواب دے گا تو ڈھلی بگڑی شیطان پر آئے گی اور ہر ایک اس کی نکوہش و سرزنش کرے گا کہ تو نے ہم سب کو تباہ کیا۔ اس وقت یہ پیر مغاں جواب دے گا۔ سنو! اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جھوٹا وعدہ کیا تھا، لیکن میرا کام تھا فقط کہنا میں نے زبردستی تو کچھ کی نہ تھی۔ میں نے تم کو فقط ایک راستے پر چلنے کی دعوت دی تھی تم نے اپنی مرضی سے میرا کہنا مانا لہٰذا مجھے لعن طعن کرنا بے جا ہے۔ خود اپنے کو ملامت کرو کیوں تم نے میرا کہا مانا اور کیوں دعوتِ حق کو قبول نہ کیا۔ اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری کچھ مدد کر سکتے ہو۔ تم نے دنیا میں مجھے اللہ کا شریک قرار دیا تھا اور میری پرستش کرتے تھے۔ میں اس سے منکر ہوں۔ یہ حال تو کافروں کا ہوگا۔ ان کے مقابلہ میں اہلِ ایمان نہایت عیش و آرام میں ہوں گے اور دوامی عزت و راحت ان کو بحکم الٰہی نصیب ہوگی۔

ایک شبہ بَرَزُوْا ماضی کا صیغہ ہے آیات میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ قیامت کے دن ہوگا پھر ماضی کا صیغہ کیوں استعمال کیا گیا۔

حل اس شبہ کے دو جواب ہیں (۱) مخلوق کے علم میں زمانہ کی تفصیل اور ماضی مضارع کا امتیاز ہے، مگر اللہ کا علم مقید بزمانہ نہیں اس کا علم اس وقت ازل و ابد دونوں کو محیط ہے۔ نہ وہاں ماضی ہے نہ مستقبل۔ جو چیز ہمارے علم کے لحاظ سے آئندہ ہونے والی ہے وہ اللہ کے علم میں ابھی موجود ہے بلکہ وہاں آئندہ اور ابھی کا کوئی امتیاز نہیں۔ لہٰذا واقعاتِ قیامت جو ہمارے علم کے اعتبار سے ہونے والے ہیں اللہ کے علم میں بالفعل موجود ہیں۔ یہ حال تو اللہ تعالیٰ کے عام علم کا ہے۔ ہاں اللہ کے علم کی ایک مخصوص قسم ہے جو مستقبل کے واقعات ظہور پذیر ہونے پر اسی وقت ہوتی ہے، مگر یہ قسم چونکہ صدورِ واقعات پر مبنی ہے اس لئے حادث ہے اور علم عام جو محیط کل ہے جس میں ماضی و مستقبل کا کوئی امتیاز نہیں ہے جو حاضر و غائب سب کو گھیرے ہوئے ہے وہ قدیم ہے۔ ازل و ابد دونوں سے خارج ہے (۲) چونکہ قیامت کے مذکورہ واقعات علم الٰہی میں موجود ہیں، اس لئے ناقابلِ تغیر ہیں۔ ان کا ظہور قیامت کے دن ضرور ہوگا اور عربی زبان کا یہ قاعدہ ہے کہ مستقبل کی جس چیز کا وقوع قطعی اور یقینی ہو اس کو بہ لفظ ماضی بیان کر دیتے ہیں۔ اس لئے آیت میں ماضی کا لفظ استعمال کیا گیا۔

مقصودِ بیان کافروں کی اس حسرت و یاس کی تصویر کشی جو قیامت کے دن ان کو ہوگی آیات دلالت کر رہی ہیں کہ کورانہ تقلید کرنے والے اور ناواقف جاہل جو کسی شیطان کے کہنے سے غلط راہ پر چلنے لگتے ہیں جرم سے بری نہیں ہو سکتے۔ جس وقت اُن کے پیشوا جہنم میں جائیں گے تو وہ نہ بچیں گے، اس لئے آدمی کو خود حق ناحق اور صحیح و غلط کا امتیاز کرنا چاہیئے۔ فقط کسی کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ قیامت کے دن جس طرح ملائکہ سے انسان کلام کرے گا اُسی طرح شیطان سے بھی براہِ راست گفتگو کر سکے گا۔ شیطان کو بذاتِ خود کوئی اختیار نہیں نہ وہ کسی کو کسی کام پر مجبور کر سکتا ہے۔ اس کا کام صرف اغوا کرنا اور لبھانا ہے وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا

(اے محمد) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی کہ پاکیزہ کلمہ اُس پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑ

ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ

مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں پھیلی ہوئی ہوں بحکم خدا ہر وقت پھل دیتا ہو اور اللہ

اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ

لوگوں کے سامنے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ سوچیں اور ناپاک بات کی مثال اُس گندے درخت

toobaafoundation.com

خَبِيْثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝

کی طرح ہے کہ جس کو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ کر پھینک دیا گیا ہو اور اس کو ٹھہراؤ نہ ہو

تفسیر گزشتہ آیات میں خدا تعالیٰ نے نیکوں اور بدوں کے احوال اور قیامت کے دن ہر فرقہ کی جو کیفیت ہوگی اس کو مفصل بیان فرمایا تھا۔ ان آیات میں دونوں کے احوال کی مزید تشریح کے لئے محسوسات میں دو مثالیں بیان فرمائی ہے :۔

کلمۂ طیبہ سے مراد بحکم حدیث لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔ ایک حدیث میں کلمۂ توحید و تکبیر کلمۂ تسبیح اور کلمۂ تحمید کو کلمۂ طیبہ قرار دیا گیا ہے۔ طیب درخت سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ بعض احادیث سے انگور کا درخت ثابت ہوتا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ دنیا کے درختوں میں کوئی درخت ایسا موجود ہو یا نہ ہو بہرحال شجرۂ طیبہ وہ ہے جس میں مذکورہ چاروں اوصاف موجود ہوں۔

اسی طرح کلمۂ خبیثہ سے کلمۂ شرک مراد ہے اور شجرۂ خبیثہ سے تھوہر کا درخت یا کوئی اور درخت جس کے اندر مذکورہ صفت ہو مراد ہے۔

حاصل تمثیل یہ ہے کہ کلمۂ طیبہ اس درخت کی طرح ہے جس میں چار اوصاف ہوں۔ (۱) شکل صورت، لذّت، خوشبو، نفع، سایہ اور پھول پھل ہر لحاظ سے عمدہ ہو (۲) اس کی جڑ زمین کے اندر خوب گہری بیٹھی ہوئی ہو۔ سوتے اور مواد پائیدار ہوں کہ آندھیوں کا بھی مقابلہ کر سکے (۳) اس کی شاخیں اور پتیاں خوب بلند اور پھیلی ہوئی ہوں (۴) اس میں پھل ہمیشہ آتے ہوں اور ہر وقت رہتے ہوں۔ کسی وقت خالی نہ رہتا ہو۔ ایسا درخت بہترین درخت ہوتا ہے ایسے ہی درخت کی طرح کلمۂ طیبہ بھی ہوتا ہے اس کے اندر بھی چاروں اوصاف موجود ہیں (۱) اس کے اندر جو لذّت و کیف ہے وہ اصحابِ ذوق سے پوچھو دنیا کی بہترین مادی غذا میں وہ کیف نہیں ہو سکتا جو اس میں ہے۔ کیونکہ ہر مادی لذّت چند منٹ کی ہوتی ہے۔ حلق سے اترتے ہی لذّت معدوم ہو جاتی ہے مگر مطالعہ توحید و تمجید کرنے والوں کی روحوں کو جو لذّت حاصل ہوتی ہے وہ لامحدود اور ناقابلِ زوال ہوتی ہے۔ وہ استغراقی کیف اور صفاتِ باری تعالیٰ میں کھو جانے کا مزہ جو کلمۂ طیبہ پر غور کرنے والوں کو میسر ہوتا ہے دنیا بھر کے اصحابِ کیف کو نصیب نہیں ہوتا۔ (۲) کلمۂ طیبہ کلمۂ حق ہے اور کلمۂ حق کی جڑیں مضبوط ہیں۔ یہ کلمہ صداقت ہے اور صداقت ناقابلِ زوال۔ یہ کلمہ نور ہے اور نور کی بنیاد نفوسِ قدسیہ میں ثبت ہوتی ہے۔ جس کو ہوا و ہوس کا کوئی جھونکا اور شیطانی وسوسوں کی کوئی آندھی اپنی جگہ سے ہلا نہیں سکتی۔ (۳) کلمۂ طیبہ کی شاخیں بہت بلند ہیں۔ عالمِ قدس تک اس کی شاخوں کی رسائی ہے۔ اعمالِ صالحہ اور اقوالِ ذکر اس کی شاخیں ہیں اور ان شاخوں کو روزانہ صبح شام آسمانوں کے فرشتے اٹھا کر دربارِ الٰہی تک لے جاتے ہیں۔ ایمان و یقین اور حقیقت و معرفت تک پہنچنا اس کی شاخیں ہیں جو ہوائے الٰہی میں پھیلی ہوئی ہیں۔ الغرض کل جہان اسی پاک کلمہ کی شاخوں کے زیرِ سایہ ہے۔ (۴) اس میں ہر وقت پھل آتے رہتے ہیں۔ کلمۂ طیبہ کا ہر پھل ہر وقت دنیا میں بھی اچھا ملتا ہے اور آخرت میں بھی اچھا ملے گا۔ رزق میں برکت، عزّت، دولت، حکومت اور عروج و ترقی اس کے مادّی پھل ہیں۔ الہاماتِ لفسانیہ، مختلف مکاشفات، حقائقِ عالم کا علم، اسرارِ سربستہ کی معرفت اور انوار و تجلّی کا وقتاً فوقتاً ظہور اس کے روحانی پھل ہیں۔ پھر آخرت میں جنّت میں داخل ہونا، وہاں کی لذّتیں حاصل ہونا، نورِ الٰہی میں ڈوب جانا اور دیدارِ باری تعالیٰ کی روشنی میں گم ہو جانا یہ اس کے اُخروی پھل ہیں۔ نہ دنیا میں کسی وقت یہ ثمر آوری سے خالی رہتا ہے نہ آخرت میں۔ کبھی اس کے پھل ختم نہ ہونگے۔

یہ کلمۂ طیبہ کی مثال تھی۔ رہا کلمۂ خبیثہ یعنی کلمۂ شرک تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بدشکل درخت ہو جس میں نہ زیادہ سرسبزی ہو نہ اچھے پھل ہوں نہ خوشبو ہو نہ اچھا مزہ ہو نہ اس کا سایہ ہو نہ کوئی اور فائدہ پھر اس کی جڑیں اوپر ہی رکھی ہوئی ہوں گہری نہ ہوں۔ ہوا کے کمزور جھونکے سے جڑ سے اکھڑ گیا ہے۔ یہی حالت کلمۂ شرک کی ہے۔ نہ اس سے دنیا میں کوئی فائدہ نہ دین میں نہ اس کے پھلوں میں کوئی لذّت نہ پتوں میں کوئی سایہ مگر زور اتنا ہے کہ جب کافر پر ذرا مصیبت پڑتی ہے بس اس کے سب باطل معبود دکھائی دیتے اللہ کی طرف رجوع کیا اور شرک کا پورا درخت جڑ سے اکھڑ کر آ رہا اور

toobaafoundation.com

چونکہ اس کی جڑ ہی کو ثبات نہیں تو شاخیں کہاں سے آئیں گی ۔ اس کی شاخوں کی کوئی حقیقت نہیں نہ مشرک کے اعمال کی بارگاہِ الٰہی تک پہنچ ہے ۔۔ کیونکہ تمام اعمال بغیر اصل کے ہوتے ہیں ۔

مقصودِ بیان کلمۂ توحید اپنے ثمرات و نتائج کے لحاظ سے پاک ثمرہ بار آور درخت کی طرح ہے ۔ جو شخص صحیح طور پر کلمۂ توحید پڑھتا اس کا اقرار کرتا اور دل سے تصدیق کرتا ہے اس پر ہر چیز کے دروازے کھل جاتے ہیں ۔ سربستہ اسرار اور حقائق و معرفت کے پوشیدہ راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں ۔ اسی بنا پر حدیث میں آیا ہے کہ جس نے لا الٰہ الا اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا ۔ کلمۂ شرک تمام معاصی و خبائث کی جڑ ہے ۔ شرک کا عقیدہ رکھتے ہوئے کوئی نیکی مقبول نہیں ہو سکتی ۔ ہر نیکی کی جڑ اقتدارِ توحید ہے ۔ بغیر بیج کے شاخیں نہیں پیدا ہو سکتیں ۔ شرک و معصیت کو پائیداری نہیں ۔ توحید و عمل صالح ہی پائیدار رہے ۔ قرآنِ پاک میں بیان مثل صرف سمجھانے اور غور کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کیا گیا ہے تاکہ آدمی غیر محسوس کو محسوس کی شکلیں دیکھ کر صحیح طور پر سمجھ سکے وغیرہ ۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ

ایمان والوں کو دنیوی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ پکی بات پر قائم رکھتا ہے اور

ع ۱۶ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ۝ ع

ظالموں کو گمراہ چھوڑ دیتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے

تفسیر ان آیات کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب مومن پر دنیوی مصائب و آلام آتے ہیں اور ایسی تکالیف سے دوچار ہونا پڑتا ہے جو ایمان کو ہلا دینے والی ہیں تو خدا تعالیٰ ہی اپنے فضل و کرم سے اس کو ایمان و اقرار توحید پر قائم رکھتا ہے اور قبر میں بھی منکر نکیر کے سوال کے وقت ایمان پر قائم رکھے گا ۔ بشرطیکہ بندہ مومن ہو اور دنیا سے با ایمان گیا ہو ۔ رہے کافر ناحق شناس سو اُن کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے ۔ اُن کی مدد نہیں فرماتا ۔ خدا تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے ؟ اس ترجیحی سلوک کی کیا وجہ ۔ باوجودیکہ مخلوق ہونے کے اعتبار سے کافر و مومن سب برابر ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ وہ مختار ہے جیسی اس کی مشیت ہے ویسا کرتا ہے ، اپنی مصلحت کو وہی خوب جانتا ہے ۔

آخرت سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک وقت حساب ہے ، مگر یہ غلط ہے کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص سے حساب میں مواخذہ کیا گیا وہ ہلاک ہو گیا ۔ اکثر مفسرین کے نزدیک قبر کے اندر منکر نکیر کے سوالات کے صحیح جوابات دینا مراد ہے ۔ یہی صحیح ہے ۔ حضرت ابو سعید خدری رض نے یہی تفسیر کی ہے ۔ حضرت عائشہ رض نے فرمایا کہ حضور نے بھی آخرت سے مراد قبر ہی قرار دی ہے ۔ (ابن مردویہ) اُم المومنین حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! اس اُمت کا امتحان قبروں میں ہوگا ۔ میں ضعیف عورت ہوں میرا کیا حال ہوگا ۔ حضور نے آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ الخ تلاوت فرمائی (رواہ البزار) حضرت عثمان بن عفان کی روایت ہے کہ حضور والا ص جب میت کو دفن کرنے سے فارغ ہو جاتے تو وہاں ٹھہر جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے دعائے تثبیت کرو کیونکہ اس وقت اس سے سوال کیا جائے گا (رواہ ابو داؤد) حضرت براء بن عازب رض کی روایت ہے حضور اقدس ص نے ارشاد فرمایا جب مومن سے قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ۔ یہی مضمون ہے آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا (رواہ البخاری والمسلم وغیر واحد من الائمۃ) ان تمام احادیث سے ثابت ہے کہ آخرت سے قبر مراد ہے ۔

مقصودِ بیان جو لوگ دنیا میں اہل ایمان ہیں اُن کے ثباتِ ایمان کے لئے اللہ بھی مدد فرماتا ہے ۔ دنیوی مصائب اور قبر کی ہیبت ناک تکلیف کے وقت اللہ ہی اہلِ ایمان کو ایمان پر قائم رکھنے والا ہے ۔ آیت وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ

toobaafoundation.com

سے اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ کافر حق ناشناس ہوتا ہے، اس لئے خدا بھی اس کو گم کردہ راہ چھوڑ دیتا ہے۔ آیات میں اس جانب بھی ایما ہے کہ ایمان داروں کو اپنے ایمان پر غرہ نہ ہونا چاہیئے۔ معلوم نہیں امتحانِ دنیا اور احوالِ قبر کے وقت کیا پیش آئے بلکہ اللہ تعالیٰ سے ایمان پر ثابت رہنے کی دعا کرنی چاہیئے وغیرہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۝ جَهَنَّمَ ۚ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کے عوض ناشکری کی اور اپنی قوم کو تباہی خانہ یعنی جہنم میں اُتار دیا جس

يَصْلَوْنَهَا ۭ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ قُلْ

کے اندر سب داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے انھوں نے اللہ کے شریک قرار دیئے تاکہ لوگوں کو راہِ خدا سے گمراہ کردیں تم کہدو

تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

کہ مزے اُڑالو آخر کار تو جہنم کی طرف تم کو جانا ہی ہے میرے ایماندار بندوں سے کہہ دو کہ پابندی سے نماز پڑھیں

وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ

اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے کچھ پوشیدہ اور ظاہر راہِ خدا میں خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ خرید و فروخت

وَلَا خِلٰلٌ ۝

ہوگی نہ دوستی

تفسیر ان آیات میں دو حصے ہیں۔ پہلے حصے میں کفار کی مذمت اور ان کی گمراہ کن اور ہلاکت انگیزی کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں مسلمانوں کو نماز کی پابندی رکھنے اور راہِ خدا میں خیرات کرنے کی ہدایت ہے۔ پہلے حصے کی شانِ نزول کے متعلق مختلف مفسرین کی مختلف روایات آئی ہیں۔ ہم خلاصہ کے ساتھ چند روایات درج ذیل کرتے ہیں:۔

عوفی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیات جبلہ بن ایہم غسانی اور اس کے ساتھ والے عربوں کے متعلق نازل ہوئی تھیں جو بھاگ کر روم کو چلے گئے تھے اور عیسائی ہو گئے تھے۔ بخاری اور نسائی نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار قریش کے حق میں ان آیات کا نزول ہوا۔ ابن کثیر نے مؤخر الذکر روایت کو ترجیح دی ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان آیات کا نزول اُن کفارِ قریش کے حق میں ہوا جو بدر کے دن لشکر چڑھا کر لائے تھے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ منافقین قریش مراد ہیں۔ تیسری روایت میں ہے کہ عبداللہ بن الکواء نے کھڑے ہو کر آیت اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا الخ کے متعلق حضرت علیؓ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا یہ لوگ مشرکین قریش تھے جن کے پاس اللہ کی طرف سے نعمتِ ایمان آئی، مگر انھوں نے اُس نعمت کو کفر سے بدل دیا اور اپنی قوم کو خانۂ ہلاکت دربدر میں ڈالا۔

مسلم مستوفی نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا سے قریش کے سب سے زیادہ سرکش دو گروہ مراد ہیں۔ بنو مغیرہ اور بنو اُمیہ۔ بنو مغیرہ نے تو بدر کے دن اپنی قوم کو مقامِ ہلاکت یعنی جہنم میں داخل کر دیا اور بنو اُمیہ نے احد کے روز اپنی قوم کو جہنم رسید

toobaafoundation.com

کیا۔ بدر کے روز (قریش کا سردار اعظم) ابوجہل تھا اور احد کے دن ابو سفیان (سدی) ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ بنی مغیرہ تو بدر کے روز ہلاک کر دیئے گئے۔ رہے بنو امیہ تو ان کو ایک خاص وقت تک باقی رکھا گیا۔ سفیان ثوری نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا سے قریش کے دو فاجر ترین گروہ مراد ہیں۔ ایک بنی مغیرہ دوسرا بنی امیہ۔ بنی مغیرہ کے لئے تو بدر کے دن ہی کافی ثابت ہوا۔ رہے بنی امیہ تو ان کو چند روز زندگانی عطا کی گئی۔ بہرحال سببِ نزول کوئی خاص گروہ ہو، منشائے حکم عام ہے۔ معانی قرآن عموماً (باستثناء بعض) کسی وقت اور کسی زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔ اگر وقت نزول مصداق موجود تھا تو اس کو بیان کر دیا جاتا ہے، مگر حکم کو عام رکھا جاتا ہے اور اگر اس وقت مصداق موجود نہ تھا تو آئندہ کے لئے عمومی حکم باقی رہتا ہے۔

مقصودِ بیان

ایمان بھی اللہ کی ایک عظیم الشان نعمت ہے۔ یعنی انسان کا خدا پر کوئی واجب حق نہیں کہ اس کے عوض خدا تعالیٰ اس کو ایمان عطا کرے اور نہ کسی کے ایمان لانے کا خدا پر احسان ہو سکتا ہے بلکہ آدمی کو توفیقِ ایمان دینا محض اللہ کا کرم ہے۔ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف مائل ہوتے ہیں وہ احسان فراموش ہیں۔ کفرانِ نعمت کرتے ہیں۔ اللہ کے راستے سے بھٹکانا بڑا جرم ہے صفاتِ الٰہیہ کے ساتھ کسی دوسرے کو متصف جاننا شرک ہے۔ اہل ایمان پر لازم ہے کہ اعتدال ارکان کے ساتھ صحیح طور پر نماز پڑھیں اور راہِ خدا میں زکوٰۃ و صدقات دیتے رہیں۔ زکوٰۃ صدقات علانیہ بھی دیئے جا سکتے ہیں اور پوشیدہ طور پر بھی۔ علمائے حنفیہ کے نزدیک زکوٰۃ کو علانیہ ادا کرنا افضل ہے۔ اہلِ تحقیق کہتے ہیں کہ اگر نیت خالص ہو اور ریاکاری کا اندیشہ نہ ہو تو خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے دینا برابر ہے۔ نماز و زکوٰۃ کا حکم دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ فقط اعتقاد کی درستگی اور قلبی اعتقاد ہی کافی نہیں ہے بلکہ بدنی عبادت و ریاضت اور برادرانِ ملت کی پرورش و ہمدردی بھی مومن کے لئے لازم ہے۔ پس گمراہ ہیں وہ لوگ جو فرائض دینیہ سے اپنے کو مستغنی سمجھتے اور کہتے ہیں کہ اب ہم ایمان و یقین کے اس درجہ پر پہنچ گئے ہیں کہ نماز روزہ کی ہم کو ضرورت نہیں رہی ہے۔ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً کے الفاظ بتلا رہے ہیں کہ برادرانِ ملت کی خبرگیری اصحابِ استطاعت پر ہر حالت میں فرض ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ

اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی برسایا پھر اُس سے تمہارے

مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ

کھانے کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تمہارا تابع بنایا تاکہ بحکم خدا دریا میں چلیں اور

سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ

نہروں کو تمہارے تابع کر دیا اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا جو چلتے رہتے ہیں اور رات و دن کو

الَّیْلَ وَالنَّهَارَ ۚ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ

تمہارے کام پر لگا دیا۔ اور جو کچھ تم نے مانگا کچھ نہ کچھ اُس نے دیا اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرو گے

لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۚ ۝

تو گن نہ سکو گے بلاشبہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے

toobaafoundation.com

تفسیر اوپر کی آیات میں بیان کیا تھا کہ بعض حق ناشناس کافروں نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کو ٹھکرا دیا اور اس کے عوض کفر کو اختیار کیا۔ ان آیات میں بتانا چاہیے کہ اللہ کی نعمت فقط ایمان ہی نہیں بلکہ اتنی تعداد میں ہے کہ شمار کرو اگر گن نہ سکو۔ ایمان و توحید تو ایک روحانی نعمت ہے جو محسوس پرستوں کو بمشکل دکھائی دیتی ہے۔ خدا کی تو محسوس نعمتیں لا متناہی ہیں۔ مثلاً اس نے آسمانوں اور زمینوں کو تمہارے فائدہ کے لئے بنا دیا۔ بادلوں سے مینھ برسایا۔ بارش کے پانی سے تمہارے لئے طرح طرح کی چیزیں پیدا کیں جن میں سے کوئی کھانے اور پینے کے کام آتی ہے، کوئی پہننے اوڑھنے اور بچھانے کے اور کوئی دیگر ضروریات ولوازم زندگی کے سرانجام دہی اور اسباب آرائش کی فراہمی کے لئے۔ پھر پانی پر سفر کرنے کے لئے کشتی جہاز وغیرہ بنانا سکھایا۔ ایسی تدبیریں بتائیں کہ کشتیاں پانی میں غرق نہ ہوں پھر نہروں کو تمہارے بس میں کر دیا۔ جدھر چاہتے ہو لے جاتے ہو۔ اُن سے طرح طرح کے کام لیتے ہو۔ آبپاشی کرتے ہو۔ چکیاں چلاتے ہو۔ بجلی بنا کر اس سے بکثرت سامانِ ضرورت و عیش فراہم کرتے ہو۔ پھر چاند و سورج کو تمہارے فوائد کے لئے ایک خاص چال سے چلایا۔ اگر ان کی چال بگڑ جائے تو انتظام عالم بگڑ جائے۔ نہ پھلوں میں پختگی آئے نہ کھیتیاں پکیں نہ سمندروں میں مد و جزر ہو نہ عالم کو گرمی و خنکی میسر آئے نہ زمین کی رطوبتیں خشک ہوں بکثرت بیماریاں پھیل جائیں بارش بالکل نہ ہو وغیرہ۔ پھر رات اور دن کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔ رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دن اپنے وقت پر۔ رات میں بھی تمہارے سامانِ زندگی کی فراہمی ہوتی ہے اور دن میں بھی کاروبارِ حیات کی تکمیل۔ پھر یہ تو کھلی ہوئی نعمتیں ہیں۔ انھیں پر کیا حصر ہے۔ تم نے جو کچھ اپنی زبان یا حال سے مانگا اور جن چیزوں کی تمہاری بقائے زندگی کو ضرورت ہوئی وہ سب خدا نے تم کو عطا کیں۔ ہر آڑے وقت پر تمہاری مدد کی۔ پھر محسوس نعمتوں کے علاوہ نیم محسوس اور غیر محسوس انعامات اس قدر ہیں کہ شمار کرو تو گن نہ سکو، لیکن آدمی بڑا ظالم، حق ناشناس اور ناشکرا ہے۔ اوّل تو نعمت دینے والے کو پہچانتا ہی نہیں، غافل ہے۔ دوسرے منعمِ حقیقی کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف جھکتا ہے انھیں کو نعمت دینے والا خیال کرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اللہ نے عقل، علم، استعداد اور جمال و کمال عطا کیا، مگر کافروں نے عقل کو غباوت سے، علم کو جہالت سے، استعدادِ ایمان کو قبولِ شرک سے اور جمالِ روح کو گناہوں کی بدصورتی سے بدل لیا۔ اس سے بڑھ کر ناشکرا پن اور حق ناشناسی اور اپنے نفس پر ظلم اور کیا ہو سکتا ہے۔

مقصودِ بیان اللہ کی محض مخصوص نعمتوں کی صراحت اور غیر مخصوص نعمتوں کی طرف بالاجمال اشارہ۔ اس بات کی تصریح کہ کافر انسان کافرِ نعمت اور حق ناشناس ہوتا ہے۔ دینے والے کو چھوڑ کر نہ دینے والے کی طرف جھکتا ہے۔ اہلِ باطن نے آیات کے ظاہری معنی کی حقانیت کے اعتراف کے باوجود بطور اشارہ کچھ باطنی معنی کا بھی استنباط کیا ہے۔ جن کو اہلِ بصیرت کی دعوتِ ذوق کے لئے ہم مجمل طور پر لکھتے ہیں۔

آسمانوں سے اشارہ ارواح کی طرف اور زمین سے اشارہ اجسام کی طرف ہے۔ بادل سے پانی برسانے کا یہ مطلب ہے کہ فیاضِ عالم نے اپنے فیضِ قدسی کے چھینٹے اس کائنات کو بھی عطا کئے جن سے انسان کی روحانی و عقلی پرورش کے لئے طرح طرح کی معرفت انگیز اور علم آموز غذائیں پیدا ہوتی ہیں۔ کشتیاں یعنی آدمی کی شہوانی اور غضبی قوتیں جو قوتِ عقلیہ کی سواریاں ہیں اس بحرِ ہستی میں بحکمِ الٰہی چل رہی ہیں۔ قوتِ عقلیہ ان پر سوار ہے اور اس بحرِ ہستی کو طے کر رہی ہیں۔ اسی بنا پر اہلِ اخلاق کہتے ہیں کہ عقل راکب اور یہ دونوں قوتیں مرکب ہیں۔ مرکب کو اتنا مطلق العنان بھی نہ چھوڑ دو کہ کہیں غار میں گر پڑے یا درخت سے ٹکرا جائے یا کھائی خندق میں پھنس جائے اور نہ اُن کو اتنا تنگ کر دو کہ مارتے مارتے ہی انہیں فنا کر دو اور پھر شہسوارِ عقل راستے میں سواری کے مرنے کی وجہ سے منزلِ مقصود پر نہ پہنچ سکے۔ نہروں سے مراد فکر و ذکر کی نہریں۔ انھیں نہروں سے معرفت و محبت کے چشمے اُبلتے ہیں اور پھر ان چشموں کے پانی سے حکمت و شوق اور صدق و اخلاص کی شادابی حاصل ہوتی ہے۔ شمس و قمر سے اشارہ ہے نورِ ایمان، نورِ معرفت، نورِ یقین، نورِ توحید، نورِ محبت و شوق اور نورِ ہدایت و توفیق کی طرف۔ یہ ایسے آفتاب و ماہتاب ہیں جن سے عالمِ انسانی کا ذرہ ذرہ جگمگانے لگتا ہے۔ مشاہدۂ ذات و صفات ان کی شعاعیں ہیں اور ارواح و عقول کے افق سے ان کا طلوع ہوتا ہے۔ رات و دن سے اشارہ ہے تاریکیٔ نفس اور روشنیٔ قلب کی طرف۔ اوّل محلِ امتحان ہے اور دوسرا مقامِ عرفان۔ قہرِ الٰہی رات ہے جو جہالت کے پردے میں انسان کو پوشیدہ کر دیتی ہے اور لطفِ الٰہی دن ہے جس سے ظہورِ معرفت ہوتا ہے۔ غضب عتاب پردۂ حجاب ہے

toobaafoundation.com

اور کشف نقاب روز روشن ہے جس سے روح پر جمالِ الٰہی کا پرتو پڑتا ہے۔ انسان ظالم اور کافر نعمت ہے۔ یعنی اللہ نے اس کو بحرِ توحید میں غرق کیا، لیکن جب ابھرا تو خودی کا دعویٰ کرنے لگا۔ انتہائی حق ناشناس ہے کہ قدیم سے حدوث کو نسبت دیتا ہے۔ قدم کو دبایا تو ظالم نے اپنی نادانی سے خودی کا جال بنایا۔ اس سے بڑھ کر کون سا ظلم ہوگا کہ محل عبودیت میں ربوبیت کا دعویٰ کرتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَٰذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ

اور جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب اس شہر کو امن کی جگہ بنانا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے

الْأَصْنَامَ ۝ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ

بچانا اے میرے رب ان بتوں نے بہتیرے آدمیوں کو گمراہ کر دیا ہے جو شخص میری پیروی کرے گا

مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي

وہ تو میرا ہے اور جو میرا کہنا نہ مانے گا تو تو غفور رحیم ہے اے میرے رب میں نے اپنی اولاد تیرے معزز گھر کے

بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ

پاس بسائی ہے جہاں کھیتی نہیں ہے تاکہ وہ پابندی سے نماز پڑھیں لہٰذا تو

أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ

لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے ان کو میوے کھانے کو دے تاکہ یہ

يَشْكُرُونَ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ ۗ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى

شکر کریں اے ہمارے رب ہم جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اس سے تو واقف ہے اور کوئی چیز

اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝ الْحَمْدُ لِلَّهِ

زمین میں اور آسمان میں اللہ سے چھپی نہیں اس اللہ کا شکر ہے

الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ

جس نے بڑھاپے میں مجھے اسمٰعیل و اسحٰق عطا فرمائے بلاشک میرا رب دعا کو

الدُّعَاءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي

سننے والا ہے اے میرے رب مجھے اور میری کچھ اولاد کو نماز کا پابند رکھ

toobaafoundation.com

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ

اے ہمارے رب میری دعا قبول کرنا اے ہمارے رب جس روز حساب برپا ہوگا مجھے اور میرے والدین کو

يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝ ع

اور ایمان والوں کو تو بخش دینا

ع ۷ / ۱۸

تفسیر مشرکین مکہ مدعی تھے کہ ہم اپنے دادا ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اور محمدؐ اپنے آباؤ اجداد کے مذہب سے پھر گئے ہیں ہم ان کا کہا کیوں مانیں اور کیوں ان کے بہکانے سے ملّتِ ابراہیمی کو ترک کریں۔ خداوند تعالیٰ ان آیات میں حضرت ابراہیمؑ کی چند دعائیں نقل فرماتا ہے تاکہ مشرکوں کو معلوم ہو جائے کہ صرف ملّتِ ابراہیمی پہ چلنے کا مدعی ہونا کافی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا پیرو درحقیقت وہی شخص ہے جو ان کی تعلیم پر عمل کرے اور ان کے نقشِ قدم پر چلے اور چونکہ محمدؐ اصولِ ابراہیمی کے پیرو ہیں اس لئے وہی ملّتِ ابراہیمی پر ہیں اور مشرکین اُن کے دین سے پھرے ہوئے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ جب حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ کو مکہ کے بیابان میں چھوڑ کر چلے اور دل میں اہل و عیال کی مفارقت کا رنج تھا اُس وقت خانۂ کعبہ کے فرسودہ نشانات کے سامنے کھڑے ہو کر بارگاہِ الٰہی میں یہ دعا کی (ابن کثیر) بعض مفسرین کا قول ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے کعبہ کی تعمیر کی اور آدمؑ کی قائم کردہ بنیادوں پر اس کی دیواروں کو اٹھایا اُس وقت یہ دعا کی تھی۔

سب سے پہلے آپ نے التجا کی (۱) پروردگار اس شہر کو مقامِ امن بنا دے یعنی اس زمین کو آباد کر دے اور یہاں قتل و غارت کو حرام کر دے۔ چنانچہ مکہ آباد ہوا اور قتل و غارت یہاں تک کہ وحوش وطیور کا شکار اور موذی جانوروں کا قتل اور سبزہ و درخت کا قطع کرنا بھی حرم کے اندر ممنوع قرار پایا۔ حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے لے کر اب تک یہی ناقابلِ شکست قانون جاری ہے۔ دورِ جاہلیت میں بھی کسی نے اس قانون کو منسوخ نہیں کیا۔ بعض مفسرین نے مقامِ امن سے محفوظ مقام مراد لیا ہے یعنی ایسا مقام جس کو کوئی ظالم، جابر منہدم نہ کر سکے۔ چنانچہ عمارتِ کعبہ ایسی ہی محترم ہے کہ کوئی شخص آج تک اس کو منہدم نہ کر سکا۔ رسول اللہؐ سے پہلے ابرہہ شاہِ یمن نے مکہ پر لشکر کشی کی۔ ہاتھیوں کی ایک جماعت بھی ساتھ لایا تاکہ کعبہ کو ڈھا دے، مگر غیبی طاقت نے اس کو برباد کر دیا اور کعبہ محفوظ رہا۔ (۱) حضرت ابراہیمؑ کو قانونِ قدرت معلوم تھا کہ پھول کے ساتھ کانٹا اور خیر کے ساتھ شر کا وجود لازم ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہی کا دور ضرور آتا ہے۔ کبھی صداقت کی روشنی باطل کے اندھیرے میں عارضی طور پر چھپ جاتی ہے، اس لئے دعا کی پروردگار مجھے اور میری اولاد کو شرک سے محفوظ رکھنا یعنی اولاد کو شرک سے محفوظ رکھنا۔ نسبی اولاد تو کل نسل ہوتی ہے، اس لئے آگے فرمایا میری آل اور میرا آدمی وہی ہے جو میرا پیرو ہو۔ جو میرا پیرو نہ ہو وہ میرا نہیں ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ انتہائی رحیم تھے۔ اس لئے نافرمانوں کے متعلق بھی اظہارِ بیزاری صراحۃً نہیں کیا بلکہ فرمایا پروردگار! جو میرا نافرمان ہے تو اس کو معاف کرنے والا ہے (اہلِ سنت کا عقیدہ ہے اللہ کو اپنی مخلوق کا کامل اختیار رہے چاہے کافروں اور مشرکوں کو بخش دے، لیکن اُس نے فرما دیا ہے کہ میں مشرک، کافر اور منافق کو نہیں بخشوں گا) اس لئے ہم جانتے ہیں کہ وہ ان کو نہیں بخشے گا، مگر اس کی قدرت و اختیار ویسا ہی ہے اسی بنا پر خلیل اللہ نے خدا تعالیٰ کے اصلی اوصاف یعنی غفور رحیم ہونے کا ذکر کیا اور یہ نہ فرمایا کہ تو نافرمان کو سزا دینا۔ (۳) سرزمینِ مکہ کے چاروں طرف دُور دُور تک چٹیل ریگستان، خشک پہاڑ اور بے آب و گیاہ میدان تھا۔ خلیل اللہ نے وہاں بحکمِ الٰہی حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ کو چھوڑا تو باقتضائے بشری دو خیال پیدا ہوئے اوّل تو یہ کہ یہاں دور تک کوئی آدمی نہیں ان کا دل گھبرائے گا اور وحشت ہوگی۔ ان کے انسِ خاطر کا کیا سامان ہے۔ دوسرے یہ کہ اس لق و دق بیابان میں یہ کھائیں گے کیا؟ اس لئے دعا کی پروردگار! میں نے تیری عبادت اور کعبہ کو آباد رکھنے کے لئے اپنے بعض اہل و عیال کو یہاں بسا دیا ہے، مگر تیری

toobaafoundation.com

ان کی سرپرستی کرتا۔ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کر دے اور کھانے کے لئے ان کو پھل اور غلہ وغیرہ عطا فرما یا چنانچہ یہ دعا بھی قبول ہوئی۔ عرب کے تمام آدمی کھنچ کھنچ کر حج کرنے کے لئے کعبہ کو آنے لگے اور مکہ سے کچھ فاصلہ پر خدا تعالیٰ نے طائف کی زمین ایسی کر دی کہ وہاں ہر طرح کے پھل پیدا ہونے لگے اور کثرت سے آنے لگے۔

ابن عباس، مجاہد اور سعید بن جبیر وغیرہ کا قول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کچھ آدمیوں کے دلوں کو مائل کرنے کی دعا کی تھی۔ اگر کچھ کا لفظ نہ کہتے تو مشرق مغرب کے تمام انسان یہاں تک کہ یہودی اور عیسائی بھی کعبہ کی طرف جھک پڑتے۔

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے علم الٰہی کی ہمہ گیری بیان کر کے ان انعامات الٰہی کا تذکرہ کیا جو خاص طور پر بغیر ظاہری اسباب کے خدا تعالیٰ نے ان کو عطا کئے تھے، اور آخر میں اپنی ذات اور اولاد کے لئے نماز کی پابندی کی دعا کی اور پھر اپنے اور اپنے والدین کے لئے مغفرت کی استدعا کی اور

ایک وہم حضرت ابراہیمؑ جلیل القدر پیغمبر اور رازدار شریعت تھے، اور آپ کا باپ آذر کافر تھا پھر کیوں کافر کے لئے دعائے مغفرت کی اور کیوں رشتۂ نسبی کو رشتۂ الٰہی پر ترجیح دی؟

وہم کا ازالہ (۱) طلب مغفرت کا مطلب یہ ہے کہ پروردگار میرے والدین کو اس قابل بنا دے کہ وہ تیری مغفرت کے اہل ہو سکیں۔ یعنی ان کو مسلمان کر دے۔ (۲) اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کو قطعی طور پر معلوم نہ ہوا تھا کہ باپ ازلی کافر ہے۔ کبھی راہ راست پر نہیں آسکتا، اس لئے شفقت پدری کے پیش نظر دعائے مغفرت کی، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن اور ازلی کافر ہے تو پھر اظہار تبری کیا اور کبھی دم نہ مارا۔

مقصود بیان حضرت ابراہیمؑ کی دعا کا اثر ہے کہ آج تک مکہ میں حرم کے اندر قتل و غارت اور ہر قسم کا شکار یہاں تک درختوں کو کاٹنا چھانٹنا بھی ممنوع ہے۔ بت پرستی انسان کی گمراہی کا ظاہری سبب ہے۔ درحقیقت کسی نبی یا ولی کی اولاد اور آل وہی شخص ہے جو اس کا پیرو ہو۔ رشتۂ نسبی کوئی چیز نہیں۔ مکہ کے اندر حضرت ابراہیمؑ کے وقت میں کھیتی نہ ہوتی تھی۔ لِيُقِيمُوا الصَّلوٰةَ سے اس طرف اشارہ ہے کہ نماز کی پابندی سے کوئی مدعی ایمان مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ خواہ وہ ایمان کی انتہائی چوٹی پر پہنچ گیا ہو۔ اس سے عبرت پکڑنا چاہیئے ان جاہل صوفیوں کو اور ان ضعیف الاعتقاد عوام کو جو بعض بے دین رندوں کو ولی اللہ یقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز ایمان کو پختہ کرنے اور یقین کو حاصل کرنے کے لئے پڑھی جاتی ہے۔ فلاں شخص کمال یقین کے درجہ پر پہنچ گیا ہے، اس لئے اس کو نماز روزہ کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دونوں صاحبزادے اسمٰعیل و اسحاق پیرانہ سالی میں بغیر ظاہری اسباب کے پیدا ہوئے تھے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا تعالیٰ بغیر ظاہری اسباب کے بھی ہر طرح قادر ہے، اور رحمت الٰہی سے کسی کو مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ خواہ اسباب پیش نظر ہوں یا نہ ہوں اور دعا کرنا لازم ہے۔ اہل نیکی، صلاح اور تقویٰ ضروری چیزیں ہیں۔ نیکوں کو اللہ ضرور نوازتا ہے۔ آیت رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلوٰةِ الخ دلالت کر رہی ہے کہ نیکی کی توفیق اور اس پر استقامت بھی محض اللہ کے حکم سے ہوتی ہے۔ بھلائی اور اس کی توفیق دونوں چیزیں انسانی اختیار سے خارج ہیں۔ اسی آیت میں حضرت ابراہیمؑ نے وَمِنْ ذُرِّيَّتِي فرمایا میری بعض اولاد کو بھی نماز کا پابند بنا دے۔ چونکہ آپ واقف تھے کہ کل نسل کا پابند نماز ہونا اور اللہ کا فرمانبردار ہونا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ مشیت الٰہی یوں ہی ہے کہ دنیا میں نہ کل آدمی نیک ہوں نہ بد بلکہ کچھ فرمانبردار ہوں اور کچھ نافرمان ہوں۔ مصیبت پر صبر لازم ہے، اس لئے آپ نے بھی دعا میں اس قانون الٰہی کو پیش نظر رکھا اور بعض اولاد کے عبادت گزار ہونے کی دعا کی۔ آخری آیت بتا رہی ہے کہ دعا میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھنی ضروری ہے۔ سب سے پہلے انسان اپنی ذات کے لئے دعا کرے پھر ترتیب سے ان تعلق رکھنے والوں کے لئے پھر عام اہل ایمان کے لئے۔ حضرت ابراہیمؑ معصوم نبی تھے اور نبی گناہ سے محفوظ رہتا ہے پھر بھی آپ نے اپنے لئے دعائے مغفرت کی۔ اس سے دو باتوں کی طرف اشارہ ہے۔ اول تو یہ کہ آدمی کتنا ہی کامل الایمان اور مقرب بارگاہ ہو اگرچہ اس کا معصوم ہونا معلوم ہو، مگر اس کو قہر الٰہی کا خوف رہنا چاہیئے۔ اپنے ایمان اور اعمال پر بھروسہ نہ رکھنا چاہیئے۔ معلوم نہیں کیا بھول چوک ہو جائے۔ دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ کسی شخص کی مغفرت اس کے اعمال کی وجہ سے نہ ہوگی۔ اسی مضمون کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم

toobaafoundation.com

نے ایک بار صحابہ سے فرمایا تھا کہ کوئی شخص اچھے اعمال کی بنا پر نہ بخشا جائے گا۔ یعنی کسی شخص کی نیکیاں جنت میں داخل ہونے کے لئے سبب اصلی اور علت موجبہ نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا حضور کیا آپ کا بھی یہی حال ہے؟ فرمایا ہاں میرا بھی یہی حال ہے۔ مگر اس وقت میں مغفور ہوں گا جب اللہ تعالیٰ کی رحمت مجھے ڈھانک لے گی۔ گویا اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت کا اصل سبب ہے۔ اعمال اور ایمان آدمی کو فقط مغفرت کا اہل بنانے میں دخل رکھتے ہیں یعنی ان سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور اللہ کی خوشنودی انسان کو دوامی نجات اور فائز المرامی عطا کرتی ہے وغیرہ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

(اے مخاطب) ظالم لوگ جو کچھ کر رہے ہیں اُن سے تو اللہ کو بے خبر نہ خیال کرنا بات صرف اتنی ہے کہ اللہ اُس دن

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ

تک اُن کو مہلت دیئے ہوئے ہے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی اور سر اٹھائے دوڑتے ہوں گے ان کی طرف پھر اُن کی نظر

اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ

نہ لوٹے گی اور حواس باختہ ہوا ہوں گے (اے محمد) لوگوں کو اُس دن سے ڈراؤ جس میں اُن پر عذاب آپڑے گا

فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ

تب ظالم کہیں گے اے ہمارے رب ہم کو تھوڑی سی مدت کی مہلت دے دے کہ ہم تیرا حکم مان لیں اور

نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ

پیغمبروں کا اتباع کرلیں (اُن کو جواب ملے گا) کیا تم قسمیں نہ کھایا کرتے تھے کہ ہم کو کسی طرح زوال نہیں۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا

حالانکہ تمہاری سکونت اُن لوگوں کے مکانوں میں تھی جنھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور تم پر کھل چکا تھا کہ ہم نے ان کے

بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ

ساتھ کیا معاملہ کیا اور ہم نے تمہارے سامنے مثالیں بیان کر دی تھیں اُن لوگوں نے اپنا داؤں کیا مگر اُن کا داؤں خدا کے پاس موجود ہے

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝

اگرچہ اُن کی تدبیر ایسی تھی جس سے پہاڑ بھی ٹل جائے۔

تفسیر یہ خطاب رسول پاک ﷺ کو ہے اور تعجب انگیز خطاب ہے۔ ان آیات کا اصلی رُخ ان لوگوں کی طرف ہے جو اگرچہ بالفعل کافر اور نافرمان ہیں، مگر اُن کا نورِ بصیرت بالکل بجھا نہیں ہے اُن کے لئے سعادت ازلی جاری ہو چکی ہے تاکہ ان آیات کو سن کر وہ ہوشیار

toobaafoundation.com

ہو جائیں ۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور دل گھل جائیں اور جس طرح بھاگا ہوا غلام شام کو پھر آقا کی طرف ندامت کے ساتھ لوٹتا ہے اسی طرح وہ بھی اللہ کی طرف رجوع کریں

آدمی کی آنکھوں پر ایک امتحانی پردہ پڑا ہوا ہے ۔ دنیا کی نعمتوں کے علاوہ اس کو آخرت کی کوئی بہبودی آنکھوں سے نہیں دکھتی ۔ کافروں کی فراخ دستی اور ناز و نعمت کو دیکھ کر اہلِ نفاق گمان کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ حق پر نہ ہوتے اور مردودِ بارگاہ ہوتے تو یہ نعمتیں ان کو کیوں عطا کی جاتیں ۔ کیوں ان کو مرفہ الحال، فارغ البال، عیش و عشرت سے ہمکنار اور جاہ و جلال بردوش چھوڑا جاتا ۔ اس شبہ کو زائل فرماتا ہے کہ اے نورِ ازلی سے حصہ پانے والو یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ ان بے دین حق ناشناس کافروں کی بداعمالیوں سے خدا واقف نہیں ہے ۔ وہ خوب جانتا ہے ان کی ہر حرکت سے واقف ہے، مگر اس نے خود ان کو ڈھیل دے رکھی ہے ۔ جیتے دم تک ان کو مہلت ہے ۔ مرنے کے بعد جب قبروں سے اٹھیں گے تو اس وقت ہکا بکا آنکھیں پھاڑے تکتے رہ جائیں گے ۔ دل ٹھکانے سے نہ ہوں گے کلیجے منہ کو آئیں گے ۔ جب عذابِ الٰہی قیامت کے دن یا مرنے کے وقت سامنے آئے گا تو اس وقت انتہائی حسرت سے دنیا میں واپس جانے اور پیغمبروں کی ہدایت پر چلنے کی آرزو کریں گے، لیکن اس وقت کوئی آرزو سود مند نہ ہوگی اور صاف جواب دے دیا جائے گا کہ دنیا میں تم تو قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہمارا یہ دنیوی عیش و نشاط ناقابلِ زوال ہے ۔ ہم کو آخرت میں کبھی جانا ہی نہ ہوگا ۔ پھر تم جن لوگوں کی بستیوں میں رہتے تھے وہ قوت و تدبیر میں تم سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھے جب ان پر تم سے پہلے تباہی آگئی اور وہ نہ رہے تو تم نے کیوں نہ سمجھا کہ ہم بھی نہ رہیں گے اس کے علاوہ طرح طرح کی نظیریں اور مثالیں دے کر ہم نے تمہیں سمجھایا، مگر پھر بھی تم نہ سمجھے ۔

آیت وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے ۔ علی بن طلحہ نے ابن عباس کا قول نیز قتادہ اور ضحاک نے بیان کیا ۔ کہ زوالِ جبال سے مراد ہے پہاڑوں کا پھٹ جانا ۔ یعنی کلمۂ شرک ایسا سخت تھا کہ اس سے پہاڑ پھٹ جاتے تو تعجب نہ تھا ۔ گویا ان کا مکر سراسر شرک تھا اور شرکِ الٰہی اس قدر ناسزا حرکت ہے کہ اس کو پہاڑ بھی برداشت نہیں کر سکتے ۔

حسن بصری نے کہا کہ ان کا مکر بے حقیقت تھا اس میں ایسی طاقت نہ تھی جس سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں ۔ یعنی صداقت و حقانیت مثل پہاڑوں کے تھی جن پر ان کی مکاری سے کوئی اثر نہ پڑ سکتا تھا ۔

حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ نے كَانَ کی بجائے كَادَ پڑھا ہے یعنی اُن کی مکاری اتنی قوی تھی کہ اس کی وجہ سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جاتے تو تعجب نہ تھا ۔ شیخ ابن جریر نے كَادَ نہیں پڑھا بلکہ كَانَ ہی پڑھا اور مطلب وہی بیان کیا جو حضرت علیؓ نے فرمایا ہے

میمون بن مہران نے کہا کہ آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا میں وعید ہے ظالم کے لئے اور تسکین ہے مظلوم کے لئے ۔

مقصودِ بیان

آخری آیات سے یہ مضمون مستنبط ہوتا ہے کہ سائنس اور طبیعیات کی مہارت سے کارخانۂ قدرت میں تبدیلی ناممکن ہے خواہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہلا دیے جائیں مگر احاطۂ قدرت سے خارج ہونا محال ہے ۔ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ حق کے مقابلہ میں کوئی تدبیر و مکر خواہ کتنا ہی بڑا ہو مفید نہیں ہو سکتا ۔ یہ بھی ایماء ہے کہ صداقت مثل پہاڑ کے ہے جو کسی باطل تدبیر سے اپنی جگہ سے ہٹ نہیں سکتی

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ⓛ

(اے مخاطب) تو یہ نہ سمجھنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلافی کرنے والا ہے بلاشبہ اللہ زبردست اور انتقام لینے والا ہے

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ

جس روز کہ اس زمین کے بدلے دوسری زمین اور آسمانوں کے بدلے (دوسرے) آسمان ہوں گے اور خدائے واحد عالم کے سامنے

toobaafoundation.com

الْقَهَّارِ ○ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ع

لوگ پیش ہونگے ؛ اور اس روز مجرموں کو تم زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھو گے

سَرَابِيلُهُم مِّن قَطِرَانٍ وَتَغْشَىٰ وُجُوهَهُمُ النَّارُ ○ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ

اُن کے کرتے روغن بیٹر کے ہوں گے اور اُن کے چہروں کو آگ چھپائے ہوئے ہوگی (یہ بات اِس لئے ہوگی کہ) ہر شخص

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ○ هَٰذَا بَلَاغٌ لِّلنَّاسِ

کو اُس کے کئے کا بدلہ اللہ دے گا بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے لوگوں کو یہ صرف خبر کر دینی ہے اور

وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ ○ ع

(یہ مقصد بھی ہے کہ) اس سے اُن کو ڈرایا جائے اور اُن کو معلوم ہو جائے کہ اللہ ایک ہی ہے اور عقل والے نصیحت پکڑیں

تفسیر وجوہ قیامت پر چار شبہات کئے جا سکتے ہیں (۱) اللہ نے جو قیامت کے متعلق مختلف مقامات پر صراحت کی ہے کیا اس کے خلاف ہونا ممکن نہیں۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ نیکی کی ترغیب دینے کے لئے خدا نے قیامت کی دھمکیاں دی ہوں اور واقع میں قیامت نہ ہو۔ اس کا جواب خدا تعالیٰ نے اس طرح دیا کہ اللہ نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدہ فرمایا اس کا خلاف ناممکن ہے۔ اللہ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا۔ اہل ایمان کو جنت میں داخل کرنے کا اور کافروں کو دوزخ میں جھونکنے کا وعدہ وہ کر چکا ہے اس کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔ (۲) کیا اللہ ایسا بھی کر سکتا ہے کہ نیست سے ہست اور معدوم سے موجود کرنا ممکن ہے؟ اس کے جواب میں فرمایا اللہ غالب ہے وہ زبردست اور قاہر ہے ہر طرح سے انتقام لے سکتا ہے۔ نیست سے ہست کرنا اس کے لئے دشوار نہیں۔ وہ اس زمین اور اس آسمان کو قطعاً تبدیل کر دے گا۔ ان کے حالات کیفیات اور تمام اوصاف بدل دے گا بلکہ ان کی ذات بھی باقی نہ رہے گی۔ جس مادہ کے یہ اب بنے ہوئے ہیں وہ مادہ بھی باقی نہ رہے گا۔ صرف اللہ یکتا قہار باقی رہ جائے گا۔ اُسی کے سامنے سب لوگ اپنی قبروں سے نکل کر آئیں گے اور ایک صاف ہموار میدان میں جمع ہوں گے۔ اس روز کافر مشرک اور منافق اپنی بداعمالیوں کی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے اور گناہوں کا لباس پہنے حاضر ہوں گے۔ ان کے چہروں پر کفر و شرک کی آگ چھائی ہوئی ہوگی

اہل تفسیر نے کہا ہے کہ انسان کے ملکات رذیلہ اور بُری خصلتیں قیامت کے دن اُس کے ہاتھ پاؤں کی زنجیریں بن جائیں گی اور جس طرح انسان کے بدن کو لباس ڈھانکے رہتا ہے اسی طرح اس کی بداعمالیاں قیامت کے دن بد ترین لباس کی شکل اختیار کر لیں گی اور وہ لباس بھی ایسا ہوگا جس میں آتشی شعلہ قبول کرنے کی زیادہ قابلیت ہوگی۔

قطران ایک قسم کا سیاہ تیل بدبودار ہوتا ہے جو مٹی کے تیل کی طرح چشمے سے نکلتا ہے۔ بعض لوگ اس کو رال کہتے ہیں۔ اس میں آگ بہت جلد لگ جاتی ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا پگھلائے ہوئے سخت ترین گرم تانبے کو قطران کہا جاتا ہے۔ عکرمہ، سعید اور حسن بصری کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں قتادہ سے بھی یہی منقول ہے۔ قتادہ نے کہا قطران ...

تبدیل ارض و سما کی تحقیق صحیحین میں آیا ہے کہ قیامت کے دن ایک سفید ستھری زمین پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا۔ سہل بن سعد کی روایت میں ہے کہ جس زمین پر لوگوں کو جمع کیا جائے گا وہ میدے کی روٹی کی طرح صاف ہوگی اس میں

toobaafoundation.com

(ٹیلہ وغیرہ) کا کوئی نشان نہ ہوگا۔ ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ اس زمین کے عوض دوسری زمین ہوگی جو چاندی کی طرح صاف سفید ہوگی نہ اس پر خون بہایا گیا ہوگا نہ کوئی گناہ کیا گیا ہوگا۔ اتنی شفاف ہوگی کہ نظر اس کے پار جائے گی اور پکارنے والے کی آواز سنائی دے گی۔ (ابن جریر) حضرت زید کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس نے تبدیل ارض کے متعلق صحابہ سے فرمایا وہ زمین چاندی کی طرح صاف سفید ہوگی۔ اس کے بعد حضورؐ نے یہودی علماء کو طلب فرمایا اور ان سے تبدیل ارض کی کیفیت دریافت فرمائی۔ علمائے یہود نے کہا اس روز زمین میدہ کی روٹی کی طرح سفید ہوگی۔ (ابن جریر) حضرت علی ابن عباسؓ انس بن مالک اور مجاہد سے بھی زمین کا چاندی کی طرح ہونا مروی ہے۔ ایک روایت میں تانبے کی زمین ہونا بھی مروی ہے۔ ابن مسعود کی ایک روایت میں آیا ہے کہ زمین و سمندر سب آگ کے ہوں گے۔ صحیحین میں حضرت ابو سعید کی مرفوع روایت ہے کہ زمین اس دن ایک روٹی ہوگی جس کو پروردگار اپنی قدرت سے الٹ پلٹ کرے گا اور (جنت میں داخل ہونے سے قبل) اہل جنت کی مہمانی میں عطا فرمائے گا۔

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آسمان سونے کے ہوں گے۔ ابن مسعود وغیرہ کی روایت ہے کہ آسمان باغوں کی طرح ہوں گے۔

صحیح یہ ہے کہ محشر کے اوقات و حالات مختلف ہیں۔ واقعی کیفیات بالکل مخفی ہیں۔ زمین کی ذاتی و صفاتی تبدیلیاں اس روز کئی بار ہوں گی نفخ صور اور قیام محشر کے اوقات میں زمین صاف سفید ہوگی نہ اس میں کوئی بلندی پستی ہوگی نہ خوں ریزی اور گناہ کا کوئی اثر ہوگا۔ پھر جب مخلوق جہنم کے پل پر ہوگی تو کفار کے لئے زمین آگ اور تانبے کی ہوگی اور مومنوں کے لئے مثل روٹی کے۔ واللہ اعلم۔

(۳) تیسرا شبہ یہ ہو سکتا تھا کہ آخر قیامت ہونے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس کا جواب دیا کہ قیامت کا ہونا ضروری ہے تاکہ لوگوں کو ان کے اعمال کی جزا سزا مل سکے۔ یعنی اللہ کی عدالت کا مقتضا یہ ہے کہ انسان کو اس کے اچھے برے اعمال کا بدلہ ملے اور دنیا اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ اول تو یہ دار عمل ہے۔ دار جزا کوئی دوسرا ہونا چاہیئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں نہ سزا کامل ہے نہ جزا کامل کیونکہ دنیا کی ہر راحت میں کچھ نہ کچھ کمی ضرور رہتی ہے اور ہر تکلیف میں راحت کا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور آمیختہ ہے۔ خالص راحت اور محض تکلیف کا یہاں نام نہیں، اس لئے کوئی اور جگہ فیصلے کی مقرر ہونی چاہیئے۔ وہی روز قیامت اور میدان حشر ہے۔

(۴) اس روز بے شمار مخلوق ہوگی حضرت آدم سے لے کر آخری دم تک کے انسان ہوں گے۔ سب کے حساب کتاب کے لئے غیر متناہی وقت اور زیادہ سے زیادہ مدت کی ضرورت ہے۔ قیامت کے ایک دن کے اندر سب کا حساب کتاب ہو کر فیصلہ کیسے ہو جائے گا؟ اس کے جواب میں فرمایا اللہ بہت جلد حساب لے لے گا۔ ایک وقت میں ہر شخص کا حساب ہو جائے گا۔

اس سے آگے عقائد و اعمال کی اصلاح کے متعلق چند تبلیغی کلمات فرما کر سورت کو ختم کر دیا۔

مقصود بیان اللہ کے وعدہ کا دروغ ہونا محال ہے۔ خدا اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ اس آیت سے امکان کذب کا مسئلہ جو ہندوستان میں جاہل علماء کا ذریعۂ معاش بنا ہوا ہے اور جس نے ہندوستان کے اندر شیرازۂ اسلام کو پارہ پارہ کر دیا ہے حل کر دیا۔ اللہ ہر طرح قادر اور صاحب انتقام ہے، مگر اس کے اندر جذبۂ انتقام نہیں۔ یہ نفس و نفسانیت کے خواص میں سے ہے۔ بلکہ اس کا انتقام عدالت پر مبنی ہے۔ انتقام کی غرض اور صورت یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے کئے کا اچھا برا پھل مل جائے اور کسی کی حق تلفی نہ ہو قیامت کے دن یہ زمین و آسمان نہ ہوں گے نہ قیامت میں زمین و آسمان کے یہ حالات و کیفیات ہوں گے۔ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک صرف عرب ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ عام انسان خواہ کہیں کے رہنے والے ہوں، اس کی ہدایات عمل کرنے کے مکلف ہیں وغیرہ۔

toobaafoundation.com

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ حجر مکہ میں نازل ہوئی اس میں ننانوے آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں

یہ سورت بالاتفاق مکی ہے۔ ابن عباسؓ اور ابن زبیر کا یہی قول ہے۔ قرطبی نے نقل کیا ہے۔ اس سورت میں ننانوے آیات، ۶۳۳ کلمات اور ۲۹۰۰ حروف ہیں۔ مدینہ منورہ اور ملک شام کے درمیان ایک وادی ہے جس کا نام حجر ہے۔ تبوک کو جاتے ہوئے حضور اقدسؐ مع لشکر کے ادھر سے گزرے تھے یہاں عہد قدیم میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام حجر ہے۔ تبوک کو جاتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مع لشکر کے ادھر سے گزرے تھے یہاں عہد قدیم میں ایک قوم آباد تھی جس کا نام ثمود تھا۔ اس قوم کے آدمی بہت قدآور ہوتے تھے اور پہاڑوں کے اندر پتھروں کو تراش کر سکونت کے لئے مکان بناتے تھے۔ حضرت صالحؑ کو انھیں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا چونکہ اس سورت میں حجر والوں کا تذکرہ ہے اس لئے سورت کا نام ہی حجر ہو گیا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور بڑا رحم کرنے والا ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ○

یہ آیتیں کتاب اور روشن قرآن کی ہیں

تفسیر حضرت قتادہ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک کتاب سے مراد گزشتہ آسمانی کتابیں ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں وہ تمام اصول و ضوابط موجود ہیں جو گزشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے، اس لئے قرآن پاک کی آیات درحقیقت گزشتہ کتابوں کی آیات ہیں۔ کوئی جدید ضوابط نہیں۔ بعض اہل علم کا قول ہے کہ کتاب سے مراد بھی قرآن پاک ہی ہے۔ اور قرآن مبین کا عطف تفسیری ہے، لیکن اکثر حضرات قائل ہیں کہ کتاب سے ام الکتاب یعنی لوح محفوظ مراد ہے۔ قرآن کی آیات اور ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے، اس لئے یہ آیات لوح محفوظ کی بھی آیات ہیں اور قرآن کی بھی۔ قرآن کے مبین ہونے کے دو معنی ہیں (۱) قرآن حق و باطل میں امتیاز کرنے والا، معاش و معاد اور اعمال و عقائد کے تمام ضروری قواعد و احکام واضح طور پر بیان کرنے والا ہے۔ سیدھا اور ٹیڑھا راستہ اس کے پڑھنے سے کھل جاتا ہے اس لئے یہ مبین ہے۔ (۲) قرآن میں انھیں قواعد و ضوابط کا بیان ہے جو گزشتہ الہامی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے۔ قوانین فطرت کا بیان جو شریعت الہیہ کا اصل محور ہے اس میں کیا گیا ہے۔ مقصود آیت بالکل واضح ہے آغاز سورت میں صراحت کر دی کہ یہ آیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصنیف کردہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جن اصول کا ان میں اظہار کیا گیا ہے وہ وہی اصول ہیں جو گزشتہ آسمانی کتابوں میں بیان کئے گئے تھے۔ اگر یہ آیات نائیدۂ دماغ ہوتیں تو گزشتہ کتابوں کے مطابق کیوں کر ہو سکتیں۔

toobaafoundation.com